اقبال اور قائدِ اعظم
پروفیسر احمد سعید
اقبال اکادمی پاکستان

اقبال اور قائدِ اعظم

پروفیسر احمد سعید

اقبال اکادمی پاکستان لاہور

ناشر — پروفیسر محمد منورؒ
ناظم اقبال اکادمی پاکستان

طبع اوّل — ۱۹۷۷
طبع ثانی — ۱۹۸۹ء
مطبع — ایمان پرنٹرز۔ لاہور
تعداد — ۱۰۰۰
قیمت — -/۳۵ روپے

نگرانِ طباعت:
فرخ دانیال

سیلز آفس: اقبال اکادمی پاکستان — ۱۱۶۔ میکلوڈ روڈ۔ لاہور



فہرست

ضمیمہ

حرفِ آغاز

انیسویں صدی کا نصفِ آخر مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کے لیے اس وجہ سے بہت اہم ہے کہ ہندوستان کے چوٹی کے مسلم سیاسی قائدین، صحافی اور مذہبی رہنما اس دور میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں نواب سلیم اللہ خاں (۱۸۸۸)، سر آغا خان (۱۸۷۷)، مولانا محمد علی جوہر (۱۸۷۸)، حکیم اجمل خان (۱۸۶۳) مولانا شوکت علی (۱۸۷۳)، مولانا محمود الحسن (۱۸۵۱)، مولانا عبدالباری فرنگی محلی (۱۸۷۸)، اے۔ کے فضل الحق (۱۸۷۳)، مولانا حسرت موہانی (۱۸۷۸)، ڈاکٹر مختار احمد انصاری (۱۸۸۰) مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳)، مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳)، مولانا عبیداللہ سندھی (۱۸۷۲)، اور ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸)۔ یہ عجب حسن اتفاق ہے کہ اسی عرصے میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور مفکرِ پاکستان علامہ محمد اقبال یکے بعد دیگرے ۱۸۷۶، اور ۱۸۷۷ میں پیدا ہوئے۔ ان دونوں زعمائے فکری اور عملی میدانوں میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے وہ محتاج بیان نہیں۔ ایک طرف علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے خوابیدہ مسلم قوم کو بیدار کرنے اور بالخصوص پنجاب میں آل انڈیا مسلم لیگ کے احیاء اور اس کو مضبوط بنانے کے سلسلے میں جو خدمات انجام دیں وہ ہماری تاریخ کا ایک ناقابل فراموش جزو بن چکی ہیں۔ دوسری طرف قائداعظم محمد علی جناح کی کوششوں و کاوش کی زندہ مثال، وطن عزیز پاکستان کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔

اس بات کی اشد ضرورت محسوس کی جاتی تھی کہ ان دونوں زعماء کے سیاسی نظریات اور آپس کے باہمی تعلقات پر کچھ لکھا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کون سے سیاسی موضوعات تھے جو ان دونوں کے درمیان اختلافات کا سبب بنے اور ان اختلافات کی نوعیت کیا تھی۔ مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند کے مستقبل سے وابستہ وہ کون سے اہم سیاسی و آئینی مسائل تھے جن کے بارے میں دونوں کی رائے ایک جیسی تھی۔ دونوں زعماء کے درمیان اختلافات کا خاتمہ کب ہوا اور وہ ایک دوسرے کے نزدیک کیوں کر آئے۔

انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی ضرورت کیوں محسوس کی۔ ۱۹۷۵ء میں راقم کو رسالہ المنور میں اسی موضوع پر ایک مضمون لکھنے کا اتفاق ہوا۔ اگرچہ یہ مضمون نہایت مختصر اور کئی لحاظ سے تشنہ تھا مگر اس کے باوجود اہلِ علم حضرات نے اس مضمون کی بہت پذیرائی کی اور بہت سے حضرات نے اس تشنگی کو دور کرکے اسے جامع بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔

میں نے اپنی کتاب میں انہی موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ ساتھ ہی قائدِاعظم کے نام علامہ اقبال کے خطوط کا اُردو ترجمہ انگریزی متن کو سامنے رکھ کر دوبارہ کیا ہے اور وہ اس ضمن میں کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ترجمہ لفظی ہونے کے ساتھ ساتھ بامحاورہ بھی ہو۔ ان خطوط کے جو تراجم میری نظر سے اب تک گزرے ہیں ان پر "مکھی پر مکھی مارنے" والا محاورہ صادر آتا ہے۔ اس بارے میں ایک افسوس ناک امر یہ ہے کہ قائدِاعظم کے وہ خطوط جو انہوں نے علامہ اقبال کو جواباً تحریر فرمائے ان کا سراغ نہیں ملتا۔ امید ہے کہ ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب اور علامہ کے دیگر قریبی احباب ان خطوط کو ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کریں گے تاکہ تاریخ کا یہ تشنہ باب مکمل ہو سکے۔

قائدِاعظمؒ اور علامہ اقبال کی زندگی کا ایک اہم باب جس پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ آیا لندن میں گول میز کانفرنس کے دوران ان دونوں زعماء کی ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں؟ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صاحب نے اپنی کتاب "اقبال کے آخری دو سال" اس کا سرسری طور پر ذکر تو کیا ہے مگر اس بارے میں ہمارے سامنے ابھی تک کوئی دستاویزی ثبوت نہیں آیا۔ قائدِاعظم اور علامہ اقبال کے خطوط، سوانح اور بیانات جو اب تک شائع ہو چکے ہیں وہ بھی اس موضوع پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے۔ امید ہے کہ کوئی صاحب اس موضوع پر تحقیق کریں گے اور اقبال اور قائدِاعظم کی زندگی کے اس رخ سے نقاب اٹھائیں گے۔

میں استادِ گرامی ڈاکٹر عبدالحمید صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے مختلف موضوعات کی نشان دہی کرائی اور اس موضوع پر کام کرنے کے سلسلے میں مسلسل حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ ایم۔ بی خالد صاحب ڈپٹی سیکرٹری وفاقی محکمہ تعلیم کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے اس مسودے کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔ جناب ڈاکٹر معزالدین ڈائرکٹر اقبال اکادمی کا خصوصی طور پر ممنون ہوں کہ انہوں نے مسودے کو بغور پڑھا اور بہتر بنانے کے سلسلے میں بہت سے مفید مشوروں سے نوازا۔ پنجاب پبلک

لائبریری کے ناظر عالم نے حسب سابق کتابوں کی فراہمی کا فریضہ نہایت تندہی سے انجام دیا۔ آخر میں شیخ محمد اشرف صاحب کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے مہربانی فرماتے ہوئے علامہ اقبال کے خطوط بنام قائد اعظم کا ترجمہ شامل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

احمد سعید



اختلافات

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں تین شخصیات ایسی گزری ہیں جنھوں نے تعلیمی، سیاسی اور فکری میدانوں میں زبردست کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں۔ سرسید احمد خاں کی تعلیمی خدمات (اور اس دور کے سیاسی حالات کے پیش نظر) ان کے صائب سیاسی نظریات سے کون انکار کر سکتا ہے۔
علامہ اقبال نے مسلمانانِ عالم کی جو فکری رہنمائی کی، تاریخ اس پر شاہد ہے اور قائداعظم محمد علی جناح کے کارنامے کی جیتی جاگتی تصویر وطنِ عزیز پاکستان ہمارے سامنے موجود ہے۔
یہ امر نہایت ہی دلچسپ اور فکر انگیز ہے کہ ان تینوں زعماء نے اپنے سفر کا آغاز بھی ایک ہی "منزل" سے کیا اور بالآخر ایک ہی "منزل" پر جا پہنچے۔ یہ تینوں رہنما شروع میں ہندو مسلم اتحاد کے زبردست داعی تھے۔ سرسید احمد خاں ہندو مسلم اتحاد کو ایک "خوب صورت دلہن کی دو خوب صورت آنکھوں" سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ ان کے کالج کے دروازے ہندوؤں کے لیے بھی کھلے ہوئے تھے۔ بہت سے ہندو ان کے قریبی حلقۂ احباب میں شامل تھے جن میں بابو شیو پرشاد کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ایم۔ اے۔ او کالج علی گڑھ میں کئی ہندو پروفیسر مقرر تھے۔ لیکن بالآخر سرسید کی تان مسلم قوم کے تشخص پر آن کر ٹوٹی۔

سرسید احمد خاں کی مانند علامہ اقبال نے بھی اپنے "سفر" کا آغاز "ہندو مسلم اتحاد" کی منزل سے کیا۔ وطن، ہمالہ اور اسی قسم کی دوسری نظموں سے ان کی ہندوستان دوستی اور نظریۂ وطنیت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ مگر ہمالہ اور "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" والا اقبال ہندی مسلمانوں کو "بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا" کا پیغام سناتا ہے اور مسلمانوں کے لیے ایک علحدہ مملکت کے قیام کو مسلمانانِ برصغیر کے جملہ دینی، تہذیبی، ثقافتی اور اقتصادی مسائل کا حل بتاتا ہے۔[1]

[1] ابوالحسن علی ندوی، "نقوشِ اقبال"، (لکھنؤ ۱۹۷۰) ۱۱/۔

ابتدا میں سرسید اور اقبال کی مانند قائداعظم محمد علی جناح بھی ہندو مسلم اتحاد کے علمبردار نظر آتے ہیں اور مسلمانوں کا گر کھلے بننے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں اور یہی مشہور ہندو لیڈر آپ کو "ہندو مسلم اتحاد کے سفیر" کا خطاب دیتا ہے۔ مگر ہندو مسلم اتحاد کا یہ سفیر زندگی کے آخری مرحلے میں ہندو تعصب کے بغور مذاق اور طویل تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایک علیٰحدہ مملکت کا قیام ناگزیر ہے وہ نہ صرف اس کا مطالبہ کرتا ہے بلکہ اس کے قیام کے لیے سب سے اہم اور سب سے نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔

قائداعظم اور علامہ اقبال کے سیاسی رجحانات، سیاسی اختلافات اور باہمی تعلقات کا جائزہ لینے سے پہلے دونوں زعماء کی سیاسی زندگیوں کا مختصر جائزہ لینا ضروری ہے۔ قائداعظم نے برصغیر میں اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۰۶ء سے کیا جب کہ آپ نے پہلی مرتبہ کانگرس کے اجلاس میں شرکت کی۔ ۱۹۱۳ء میں آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر بنے اور ۱۹۱۵ء میں آل انڈیا مسلم لیگ اور کانگرس دونوں کے اجلاس ایک ہی وقت اور ایک ہی مقام بمبئی میں بلانے کے سلسلے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکیٹ آپ ہی کی کوششوں سے معرض وجود میں آیا۔ تحریک خلافت کے دوران جب خلافت کمیٹی اور مسلم لیگ گاندھوی سیاست کا شکار ہو گئیں تو آپ نے سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی۔ ۱۹۲۴ء میں دوبارہ مسلم لیگ کے احیاء کی کوشش کی۔

علامہ اقبال نے اپنی عملی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۲۶ء میں کیا جب کہ آپ پہلی مرتبہ اپنے حریف ملک محمد دین کو تین ہزار ایک سو ستر ووٹوں سے شکست دیکر پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے[1] اور اس کے کچھ ہی عرصہ بعد "اقبال جناح کشمکش" کا آغاز ہوتا ہے۔

---

[1] فقیر سید وحید الدین، "روزگار فقیر" (حصہ اوّل) لائن آرٹ پریس لاہور، ۱۹۶۳ء/ ۱۰۴،

دہلی مسلم تجاویز۔ جداگانہ، مخلوط انتخاب

تحریک خلافت کے دوران ہندو مسلم اتحاد کے جو نظارے دیکھنے میں آئے برصغیر کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مگر بقول ڈاکٹر خورشید کمال عزیز ہندو مسلم اتحاد کا یہ ہنی مون honey moon جلد ہی ختم ہوگیا اور تمام ہندوستان فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ ہندوؤں کی جانب سے شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کا آغاز ہوا۔ شردھانند، پنڈت مدن موہن مالویہ اور ڈاکٹر مونجے ہندوستان سے مسلمانوں کے وجود کو ختم کرنے کے درپے ہوگئے۔ ۲۵ جولائی ۱۹۲۶ء کو ڈاکٹر مونجے نے کلکتہ میں ہندو مہاسبھا کی صدارت کرتے ہوئے کہا۔ ہندو مہاسبھا کا مقصد یہ ہے کہ تمام ہندوؤں کو متحد کردے اور ہندو دھرم کو اتنی ترقی دے کہ ہندوستان صحیح معنوں میں ہندوستان کہلا سکے یعنی ہندوؤں کا ملک[۱]۔ ہندوؤں کے یہ تشدد پسند اور انتہا پسند رہنما مسلمانوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے "شدھی" اور "سنگھٹن" جیسی تحریکیں چلا رہے تھے۔ دوسری طرف ان کے نام نہاد اعتدال پسند لیڈر جداگانہ انتخاب کو ہندو مسلم اختلافات کی جڑ قرار دے رہے تھے۔

ان نامساعد حالات میں قائداعظم محمد علی جناح آگے بڑھے۔ ایک طرف تو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے تن مردہ میں نئی روح پھونکنے کا عزم کیا اور دوسری جانب ہندوستان کے وسیع تر مفاد کی خاطر ہندو مسلم مفاہمت کے لیے بھی کوشاں رہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ ہندو لیڈروں کا کہنا یہ تھا کہ اگر مسلمان جداگانہ انتخاب کی بجائے مخلوط انتخاب کو قبول کرلیں تو دونوں قوموں کے درمیان مفاہمت اور صلح ہوسکتی ہے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اسی امر کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اس متاع عزیز (جداگانہ انتخاب) کو چھوڑنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔

---

[۱] محمد امین زبیری، "سیاست ملیہ"، (عزیزی پریس آگرہ ۱۹۴۱ء) ص ۲۱۱۔

جداگانہ انتخاب مسلمانوں کو پہلی مرتبہ منٹو مارلے اصلاحات (۱۹۰۹ء) کے تحت حاصل ہوئے۔ مسلمان چونکہ برصغیر پاک و ہند میں اقلیت میں تھے اس لیے انہوں نے اپنے حقوق کی حفاظت کی غرض سے ۱۹۰۶ء میں وائسرائے ہند لارڈ منٹو سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ انہیں جداگانہ انتخاب کا حق دیا جائے جس کو ۱۹۰۹ء میں حکومت نے تسلیم کر لیا۔ ہندوؤں نے پہلی اور آخری مرتبہ ۱۹۱۶ء میں مشہور لکھنؤ پیکٹ میں مسلمانوں کے اس حق کو تسلیم کیا تھا۔ مگر جلد ہی انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اور وہ آخر تک جداگانہ انتخاب کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جداگانہ انتخاب نے مسلمانوں میں "قومی شعور" پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح کی جداگانہ انتخاب کے بارے میں رائے یہ تھی کہ اگر مسلمانوں کے دیگر حقوق تسلیم کر لیے جائیں اور ان کے ذہنوں سے "اکثریت کا خوف" دور کر دیا جائے تو مخلوط انتخاب کو قبول کر لینا چاہیے۔ اسی غرض کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قائدِ اعظم نے ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو دہلی میں مسلمان رہنماؤں کی ایک کانفرنس طلب کی۔ اس کانفرنس میں ہندو مسلم مفاہمت کی خاطر یہ تجویز پیش کی گئی کہ اگر ہندو مسلمانوں کے مندرجہ ذیل مطالبات تسلیم کر لیں تو مخلوط انتخاب کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں کے دیگر مطالبات میں سندھ کی بمبئی سے علٰحدگی، پنجاب اور بنگال میں آبادی کے تناسب سے نمائندگی، سرحد اور بلوچستان میں آئینی اصلاحات کا اجراء اور مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کی ایک تہائی نمائندگی شامل تھیں۔[1] یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ سر محمد شفیع بھی اس کانفرنس میں شریک تھے لیکن لاہور پہنچ کر انہوں نے دہلی تجاویز کے خلاف محاذ کھول دیا۔

قائدِ اعظم کی مندرجہ بالا تجاویز جو "دہلی مسلم تجاویز" کے نام سے یاد کی جاتی ہیں پنجاب مسلم لیگ اور علامہ اقبال کا ہدف بن گئیں۔ ادھر آل انڈیا مسلم لیگ کے دو حصوں میں تقسیم ہونے کی راہ ہموار ہونے لگی۔ علامہ اقبال نے ۲۰ جنوری ۱۹۲۷ء کو پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور قائدِ اعظم سے براہِ راست ان کا "تصادم" شروع ہوا۔ قائدِ اعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس ۱۹۲۷ء میں ان تجاویز کو منصفانہ اور معقول قرار دیا۔

ادھر علامہ اقبال ان تجاویز کے سخت خلاف تھے اور انہیں کسی بھی صورت قبول کرنے کو تیار،

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو: احمد سعید، "حصولِ پاکستان" (ایجوکیشنل امپوریم لاہور ۱۹۷۶ء) ص ۱۶۵۔۱۷۰

نہیں تھے۔ یکم مئی ۱۹۲۷ء کو پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے اجلاس میں علامہ نے دہلی تجاویز کے متعلق مندرجہ ذیل قرارداد پیش کی "پنجاب پراونشل مسلم لیگ اپنے اس عقیدے کا اعادہ کرتی ہے کہ ملک کی موجودہ سیاسی حالت میں جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب ہی کے ذریعے سے مرکزی مجلس وضع قوانین اور صوبوں کی مجالس وضع قوانین باشندگان ہند کی حقیقی نمائندہ مجلس بن سکتی ہیں۔ حلقہ ہائے انتخاب کی علٰحدگی ہی سے باشندوں کے جائز حقوق و فوائد محفوظ رہ سکتے ہیں اور اسی صورت میں وہ فرقہ وار کشمکش دور ہو سکتی ہے جو وقتاً فوقتاً پیش آتی رہتی ہے۔ اور جو مخلوط و مشترک حلقہ ہائے انتخاب سے پیدا ہوگی۔ اس لیے لیگ کی یہ قطعی رائے ہے کہ جب تک اقلیتوں کے حقوق کی مؤثر ضمانت کا انتظام نہ ہو اس وقت تک مسلمان فرقہ وار حلقہ ہائے انتخاب کو دستور ہند کے ایک اساسی جزو کی حیثیت سے برقرار رکھنے پر لازماً مصر رہیں گے۔"[1]

علامہ اقبال نے اس قرارداد پر تقریر کرتے ہوئے موجودہ حالات میں مخلوط انتخاب کو "ناموزوں" قرار دیا۔ علامہ نے ہندو زعماء کی "ذہنیت" کے پیش نظر جداگانہ انتخاب کو ترک کرنے کو خارج از بحث قرار دیا۔ آخر میں آپ نے ہندو رہنماؤں کی ذہنیت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ "مسلمان تعداد میں کم ہیں، اقتصادی حیثیت سے پیچھے ہیں۔ تعلیم میں پسماندہ ہیں، ویسے بڑے بھولے بھالے ہیں، حکومت انہیں آسانی سے چکنی چپڑی باتیں کر کے پھسلا لیتی ہے، ہندو انہیں پھسلا لیتے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ آخر ہندوؤں نے یہ ذہنیت کیوں اختیار کی اور یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندوؤں کی ذہنیت ہے۔ اور اگر کوئی اور وجہ نہ ہوتی تو میں کہتا کہ تنہا اسی وجہ سے حلقہ ہائے انتخاب علٰحدہ رکھے جائیں۔"[2]

علامہ اقبال جداگانہ انتخاب کو کسی بھی صورت ترک کرنے پر تیار نہیں تھے۔ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں بمبئی میں ہندو مسلم مفاہمت کے سلسلے میں ہندوؤں، نیشنلسٹ مسلمانوں اور خلافتی زعماء کے درمیان گفتگو ہوئی۔ علامہ نے ۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو اس گفتگو کے بارے میں ایک بیان میں کہا کہ "ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس نازک وقت میں جداگانہ اور مخلوط انتخاب کا مسئلہ چھیڑنا نامناسب ہے۔ کیونکہ ہمیں یقین

---

[1] رفیق افضل، "گفتار اقبال"، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان لاہور ۱۹۶۹ء/ ۲۶۔
[2] ایضاً/ ۲۷۔

ہے کہ ہماری قوم اس نازک وقت میں اس تحفظ (جداگانہ انتخاب) کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

اس کے برعکس قائداعظم کی رائے یہ تھی کہ جداگانہ انتخاب اصل مقصود نہیں بلکہ اگر مسلمانوں کو دیگر آئینی تحفظات دے دیے جائیں اور ان کے مطالبات تسلیم کر لیے جائیں تو مخلوط انتخاب کو قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ قائداعظم کی رائے میں فرقہ وارانہ مسئلے کے حل میں جداگانہ یا مخلوط انتخاب کی چٹان حائل نہیں ہونی چاہیے۔ لکھنؤ یونیورسٹی میں ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "میں خود مخلوط انتخاب اور آبادی کے اصول پر نشستوں کا حامی ہوں۔ لیکن میں قوم کی جانب سے اس کی ذمہ داری نہیں لے سکتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مسلمانوں کی اکثریت جداگانہ انتخاب کے اصول پر قائم ہے۔ بحالتِ موجودہ ہندوستان کے مفادات کو جداگانہ انتخاب کی خاطر قربان نہیں کیا جاسکتا۔ اگر پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کی اکثریت کے سوال پر ہندو راضی ہوگئے تو میں ذاتی طور پر مخلوط انتخاب کو ترجیح دوں گا۔"[1]

اس طرح جداگانہ انتخاب علامہ اقبال اور قائداعظم کے درمیان اختلاف اور دوری کا پہلا سبب بنا۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ اقبال شروع سے لے کر آخر تک جداگانہ انتخاب کو مسلم قوم کے تحفظ و بقا کی خاطر ضروری سمجھتے تھے۔ ان کی رائے میں جداگانہ انتخاب مسلمانوں کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ وہ اقلیت میں ہیں اور وہ اپنے مذہب، تہذیب و تمدن اور زبان کی حفاظت کی غرض سے جداگانہ انتخاب کو اپنی بقا کے لیے لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں علامہ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ چونکہ ہندوستان میں مختلف اقوام اور مذاہب موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اگر مسلمانوں کی معاشی پستی ان کی بے حد مقروضیت بالخصوص پنجاب میں اور بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریتوں کا خیال کیا جائے تو آپ کو سمجھ میں آجائے گا کہ مسلمان جداگانہ انتخاب کے لیے کیوں مضطرب ہیں۔" علامہ اقبال جداگانہ انتخاب کو صرف ایک شرط پر چھوڑنے کو تیار تھے کہ صوبوں کی ازسرِ نو تقسیم کسی ایسے اصول کے ماتحت ہو جائے کہ صوبے کے اندر تقریباً ایک ہی طرح کی ملتیں بستی ہوں اور ان کی نسل، مذہب زبان اور ان کا تہذیب و تمدن ایک ہو تو مسلمانوں کو مخلوط انتخاب پر کوئی

---

[1] روزنامہ، "الجمعیۃ" (دہلی) ۱۳ اگست ۱۹۳۱ء، ص ۲۔

اعتراض نہیں ہوگا۔[1]

دوسری طرف قائدِ اعظم مخلوط انتخاب کو چند شرائط کے ساتھ قبول کر لینے پر آمادہ تھے۔ آپ اکثر کہا کرتے تھے کہ اگرچہ میں خود تو مخلوط انتخاب کا حامی ہوں لیکن مسلمان قوم جداگانہ انتخاب سے دستبردار ہونے کو کسی صورت بھی تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک ہندوستانی سیاست میں جداگانہ انتخاب کو خاص اہمیت حاصل رہی قائدِ اعظم نے جداگانہ طریقِ انتخاب کے حق ہی میں رائے دی۔ آپ کے مشہور چودہ نکات میں جداگانہ انتخاب کا مطالبہ شامل تھا۔

اس طرح اقبال اور قائدِ اعظم کے درمیان جداگانہ انتخاب اختلاف کا سبب بنا۔ قائدِ اعظم جو ابھی تک ہندوؤں کی جانب سے مفاہمت سے مایوس نہیں ہوئے تھے اور اس بات پر تیار تھے کہ دونوں قوموں میں مفاہمت اور اتحاد کے حصول کی خاطر اگر جداگانہ انتخاب کو چھوڑنا پڑے تو مسلمانوں کو مخلوط انتخاب (چند شرائط کے ساتھ) قبول کر لینا چاہیے جب کہ علامہ اقبال ہندوؤں کی "ذہنیت" اور "رویہ" کے پیشِ نظر اس بات پر آمادہ نہیں تھے کہ مسلم حقوق اور جداگانہ انتخاب کو ہند و مسلم مفاہمت کی خاطر قربان کر دیا جائے۔ قائدِ اعظم کا جداگانہ انتخاب کے بارے میں رویہ یہ تھا کہ چونکہ مسلمان اقلیت میں ہیں اس لیے ان کو اپنے حقوق کی حفاظت کے متعلق خوف لاحق ہے۔ لیکن اگر ایک مرتبہ دستورِ اساسی نافذ ہو گیا اور مسلمانوں کا عدمِ اعتماد اور خوف دُور ہو گیا تو وہ خود بخود جداگانہ انتخاب کو ترک کر دیں گے۔[2] جب کہ علامہ اقبال کو ہندوؤں کی ذہنیت اور سوچ نے مایوس کر دیا تھا اور وہ جداگانہ انتخاب ہی کو مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ضروری تصور کرتے تھے۔

لطیف احمد شیروانی ”حرفِ اقبال“ (المنار اکیڈمی لاہور) ۳۴، ۳۵

۲ احمد سعید، گفتارِ قائدِ اعظم، اسلام آباد، ۱۹۷۶/ ۱۰۴۔

سائمن کمیشن

مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات ۱۹۱۹ء میں ایک شق یہ رکھی گئی تھی کہ دس سال کے بعد ایک کمیشن مقرر کیا جائے گا جو اصلاحات کی کارکردگی کا جائزہ لے گا۔ اگرچہ یہ کمیشن اصولی طور پر ۱۹۲۹ء میں مقرر کیا جانا تھا مگر ہندوستان کی تیزی سے بدلتی ہوئی سیاسی صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ کمیشن دو سال قبل ہی ۱۹۲۷ء مقرر کر دیا گیا۔ ۸ نومبر ۱۹۲۷ء کو برطانوی حکومت نے سر جان سائمن کی زیر قیادت ایک کمیشن سائمن۔ کمیشن کی تقرری کا اعلان کیا۔ چونکہ اس کمیشن میں کسی بھی ہندوستانی کو شامل نہیں کیا گیا اس لیے ہندوستان کی قابلِ ذکر جماعتوں نے سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ اس موقعے پر پنجاب مسلم لیگ صرف وہ واحد جماعت تھی جس نے کمیشن کے ساتھ تعاون کا اعلان کیا۔ علامہ اقبال اس وقت پنجاب مسلم لیگ کے سیکریٹری تھے۔ اس لیے آپ سائمن کمیشن سے تعاون کے حق میں تھے۔ ادھر قائدِ اعظم محمد علی جناح، سائمن کمیشن سے کسی بھی صورت تعاون کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ چنانچہ ان دونوں زعماء کے درمیان، سائمن کمیشن اختلاف کا دوسرا سبب بنا۔

اگرچہ علامہ اقبال کمیشن سے تعاون کے حق میں تھے لیکن آپ نے بھی کمیشن میں کسی ہندوستانی کو شامل نہ کرنے کو "غیر متوقع، مایوس کن اور تکلیف دہ" قرار دیا۔ آپ نے ۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو ایک بیان میں سائمن کمیشن میں ہندوستانیوں کی عدم موجودگی کو "ایک بڑی غلطی" کہا لیکن ساتھ ہی کمیشن میں ہندوستانیوں کی عدم شمولیت کو ہندوستان کی "مختلف اقوام کے باہمی اختلافات اور کشمکش" کی وجہ قرار دیا۔ سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ اگر کمیشن میں کسی ہندوستانی کو شامل بھی کیا جا سکتا تو وہ سر علی امام یا مسٹر جناح ہو سکتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ دونوں مخلوط انتخاب کے حامی تھے اس لیے "پنجابیوں کے نزدیک یہ امر موجبِ اطمینان نہ تھا"[۱] اس موقعے پر علامہ نے کمیشن سے تعاون

---

[۱] "گفتارِ اقبال" ص ۵۰

یا عدم تعاون کے مسئلے پر اپنی رائے ظاہر کرنے سے احتراز کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "اتحاد کانفرنس کی ناکامی اور دیگر رنج دہ حالات نے مسلمانوں کو اس پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ بحیثیت اقلیت اپنی پوزیشن اور اپنے مفاد کا خاص خیال رکھیں"۔[1] یعنی آپ نے کمیشن کے ساتھ تعاون کرنے کی ضرورت کی طرف اشارہ کر دیا۔

سائمن کمیشن میں ہندوستانیوں کی عدم شمولیت کی وجہ سے جو ہنگامہ پیدا ہوا اس کو ختم کرنے کے لیے یہ تجویز پیش کی گئی کہ ہندوستان کی مرکزی مجلس قانون ساز کے ارکان میں سے ایک کمیٹی بنا دی جائے جو کمیشن کو ہندوستانی نقطہ نظر سے باخبر کرے۔ علامہ نے اس تجویز کو اگرچہ "فائدہ مند" تصور کیا۔ لیکن یہاں بھی اس خطرے کا اظہار کیا۔ کہ پنجابی نقطۂ خیال سے یہ مجلس بھی موجب اطمینان نہیں کیونکہ اسمبلی کے جن سرکردہ لوگوں کے مجلس میں منتخب ہو جانے کا امکان ہے مثلاً مسٹر جناح، نواب محمد اسماعیل، تصدق احمد خاں شروانی اور مولوی محمد یعقوب یہ سب مخلوط انتخاب کے حامی ہیں۔[2]

سائمن کمیشن سے تعاون یا عدم تعاون کے مسئلے پر غور کرنے کے لیے پنجاب مسلم لیگ کا ایک جلسہ ۱۲، نومبر ۱۹۲۷ء کو سر محمد شفیع کے مکان پر منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پنجاب مسلم لیگ نے سائمن کمیشن سے تعاون کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس اجلاس میں پنجاب پراونشل مسلم لیگ کے صدر سر محمد شفیع نے ایک قرارداد پیش کی جس میں کمیشن کے مقاطعہ کو مسلمانوں کے مفاد کے لیے نقصان دہ قرار دیا گیا۔ اجلاس کے بعد علامہ اقبال نے ایک اخبار بیان جاری کیا جس میں کمیشن سے متعلق اپنی رائے کا واضح طور پر اعلان کیا۔ علامہ نے اپنے اس بیان میں سر محمد شفیع کی قرارداد کو "پنجابی مسلمانوں کے احساسات کا آئینہ" قرار دیا۔ آپ نے یہ اُمید ظاہر کی کہ دوسرے صوبوں کے مسلمان بھی کمیشن کے متعلق موزوں طریق کار تجویز کریں گے۔ علامہ نے سر جان سائمن کے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ "کمیشن کا فرض محض یہ ہوگا کہ ہندوستان کی طرف سے جو مختلف تجاویز پیش ہوں ان کی روداد پیش کرے اور ان پر غور و خوض کرے۔ اس لیے ملک کی اقلیتی جماعتوں کے لیے یہ سنہری موقعہ ہے کہ وہ کمیشن کے روبرو اپنی اُمیدیں، اپنی خواہشات اور اپنے اندیشے ظاہر کر سکیں"۔[3]

قائداعظم محمد علی جناح سائمن کمیشن کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ یوں تو آپ ابتدا ہی میں ہندوستانی

---

[1] گفتارِ اقبال / ۵۱   [2] گفتارِ اقبال / ۵۰   [3] گفتارِ اقبال / ۵۲

سیاست میں ایک نڈر اور بہادر کی حیثیت سے اپنا سکہ منوا چکے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں جب آپ نے لارڈ منٹو (گورنر جنرل اور مرکزی لیجسلیٹو کونسل کے صدر) کے ساتھ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کے طرز عمل پر ایک گرما گرم مکالمہ کیا تو ایک اخبار "اثنا عشری" نے انہیں "جنگجو ممبر" قرار دیا[1] اسی طرح بمبئی کے گورنر لارڈ ولنگڈن کی الوداعی پارٹی کے متعلق بھی قائد اعظم نے جس جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا ہندوستانی تاریخ میں وہ "جناح میموریل ہال" کی شکل میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ سائمن کمیشن کے سلسلے پر بھی قائد اعظم نے اپنی سابقہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے انگریزوں کی "ہندوستان دشمنی" اور ہندوستانیوں سے تحقیر وحقارت کے سلوک کی پرزور مذمت کی۔ قائد اعظم نے سائمن کمیشن میں کسی بھی ہندوستانی کو شامل نہ کرنے پر برطانوی حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی۔ اس ضمن میں قائد اعظم نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے وائسرائے ہند کے سائمن کمیشن کے اعلان پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا "رائل کمیشن کے متعلق میں نے وائسرائے کا اعلان پڑھا ہے۔ میرے لیے تو ایسے کمیشن کا تصور ہی شاق ہے۔ جو ہندوستان کے آئندہ آئین اور ۳۵ کروڑ ہندوستانیوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے مقرر ہو اور اس میں ایک بھی ہندوستانی شامل نہ ہو۔" اپنے اس بیان میں قائد اعظم نے تمام جماعتوں سے اپیل کی کہ وہ "فوراً ایک جگہ جمع ہوں اور اس بات کا فیصلہ کریں کہ انہیں اس کے متعلق کیا کارروائی کرنی ہے۔"[2]

(روزنامہ "زمیندار" ۱۱ نومبر ۱۹۲۷ء)

۱۹ نومبر ۱۹۲۷ء کو سائمن کمیشن کی تقرری کے خلاف بمبئی میں سر ڈنشا کی زیر صدارت ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں قائد اعظم محمد علی جناح نے سائمن کمیشن کے خلاف ایک قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد میں کہا گیا کہ "اہالیان بمبئی کا یہ جلسہ سائمن کمیشن کی تقرری کے خلاف پرزور احتجاج کرتا ہے۔ اہل ہند اس کمیشن کو ہرگز قبول نہیں کر سکتے جس میں ملک کے آئندہ آئین کی ترتیب وتشکیل میں ہندوستانی عوام کی شرکت و مساوی نیابت کے حق کو پامال کر دیا گیا ہے۔ یہ اجلاس اس امر کا بھی اعلان کرتا ہے کہ بحالت موجودہ ہندوستان کے لوگ اس کمیشن کی سفارشات کو قبول کرنے کے پابند نہ ہوں گے۔"[3] یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ،

---

[1] روزنامہ "پیسہ اخبار"، لاہور، ۲۴ مارچ ۱۹۱۰/ ۸۔

[2] احمد سعید، "گفتار قائد اعظم"، اسلام آباد، ۱۹۷۶/ ۵۴۔

[3] جی الانہ Quaid-e-Azam : The Story of a Nation کراچی/ ۱۹۴۔

سائمن کمیشن کے خلاف ہونے والی طویل ایجی ٹیشن کا یہ پہلا جلسہ تھا۔

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے سائمن کمیشن کی تقرری اور اس میں کسی بھی ہندوستانی کو شامل نہ کرنے پر برطانوی حکومت کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ ۳۰ جنوری ۱۹۲۸ء کو پونا میں مسٹر بھوبت کار کی زیرِ صدارت ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے سائمن کمیشن کو "لارڈ برکن ہیڈ کا ساختہ پرداختہ" قرار دیا۔ آپ نے حاضرینِ جلسہ سے استدعا کی کہ وہ سائمن کمیشن کا اس نوع کا مقاطعہ کریں کہ "سائمن صاحب دوبارہ اس طرف کا رخ نہ کر سکیں۔"[1] قائدِ اعظم نے سائمن کمیشن کی تقرری کو "ہندوستانیوں کی روحوں کو ہلاک کرنے کی کوشش" قرار دیا اور فرمایا کہ "جلیانوالہ باغ میں انگریزوں نے ہمارے ہم وطنوں کو قتل کر کے ہمارے اجسام کو شکست و نابود کیا تھا لیکن شاہی کمیشن کے تقرر سے ہماری روحوں کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔"[2] یکم جنوری ۱۹۲۸ء کو کلکتہ کے شردھانند پارک میں تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے مختلف مجالس قانون ساز کے ممبران سے اپیل کی کہ وہ سائمن کمیشن کی امداد کے لیے کمیٹیاں مرتب نہ کریں۔ آپ نے متنبہ کیا کہ اگر مجلس قانون ساز کا کوئی رکن ایسی کمیٹی کا ممبر بنے گا تو "اس کو سارے ملک کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور آیندہ انتخاب کے موقعے پر ملک اس کو ٹھوکر مار کر نکال دے گا۔"[3] ایک اور جلسے میں تقریر کرتے ہوئے قائدِ اعظم نے سائمن کمیشن کی تقرری کو حکومت کی ایک "رجعت پسندانہ چال" قرار دیتے ہوئے ہندوستانیوں سے اپیل کی کہ وہ سائمن کمیشن کا مکمل بائیکاٹ کریں۔

اس ضمن میں سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ قائدِ اعظم نے پنجاب پراونشل کانگرس کمیٹی کی وساطت سے پنجاب کے عوام کو ایک تار دیا جس میں اہلِ پنجاب سے اپیل کی گئی کہ "وہ اس نازک موقعے پر متحد ہو جائیں اور جیسا کہ اعلان کیا گیا ہے کمیشن سے کسی قسم کا تعلق یا واسطہ نہ رکھیں۔ ہندوستان کو حکومت میں حصہ دار بنانے سے انکار کیا گیا ہے اور اس کی کوئی وقعت نہیں رکھی گئی۔ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ ہندوستان سے غداری کرنے میں کسی قوم کا فائدہ نہیں ہوگا۔ سوائے ان لوگوں کے جن کو عوام کے گمراہ کرنے کے لیے

1۔ "گفتارِ قائدِ اعظم" / ۵۶۔

2۔ "گفتار قائداعظم / ۵۶۔

3۔ ہفت روزہ "پیسہ اخبار" لاہور، ۱۲ جنوری ۱۹۲۸ء / ۱۸۔

مقرر کیا گیا ہے۔[1] ظاہر ہے اس اشارے کی ہدف شفیع لیگ ہی تھی

اب علامہ اقبال اور قائداعظم میں براہِ راست اخباری بیان بازی کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ ۸ دسمبر ۱۹۲۷ء کو علامہ اقبال نے اپنے ایک اخباری بیان میں سائمن کمیشن کے ساتھ تعاون پر زور دیتے ہوئے کہا کہ فرقہ وار اختلافات کا فیاضانہ اور منصفانہ تصفیہ کیا جائے آپ نے قائداعظم کی کمیشن کے بائیکاٹ کی تجویز کے متعلق فرمایا کہ "یہ ایک واضح روش ہے اور اس کا حاصل افسوس اور ندامت کے سوا کچھ نہ ہوگا"۔ علامہ اقبال نے کمیشن کے بائیکاٹ کو "تباہ کن رویہ" قرار دیتے ہوئے کہا کہ "کمیشن ہندوستان کی اقلیتوں کے ساتھ انصاف کرنے کی پوری ضمانت لے کر آرہا ہے"۔ قائداعظم نے کمیشن میں کسی بھی ہندوستانی کو شامل نہ کرنے کو "ہندوستانیوں کی خودداری اور عزتِ نفس پر حملہ" قرار دیا تھا۔ علامہ نے اپنے بیان میں اس فقرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "مسٹر جناح اور دیگر حضرات نے یہ فقرہ اڑا لیا ہے کہ ہماری خودداری ہمیں رائل کمیشن کی تائید کی اجازت نہیں دیتی۔ ہم اس کے برعکس کہتے ہیں کہ فرقہ وار جنگ اور خودداری یکجا قائم نہیں رکھی جاسکتیں۔ تدبر کا تقاضا ہے کہ اس نازک موقعے پر جذبات کو عقل اور دلیل پر حاوی نہ ہونے دیں"۔[2]

وزیرِ ہند لارڈ برکن ہیڈ نے دارالامراء میں سائمن کمیشن کے سلسلے میں ایک بیان دیا جس میں اس نے سائمن کمیشن میں ہندوستانیوں کو شامل نہ کرنے کے سلسلے میں دلائل پیش کیے۔ لارڈ برکن ہیڈ نے کہا تھا کہ چونکہ ہندوستانیوں میں فرقہ وارانہ اختلافات اس درجہ گہرے موجود تھے اس لیے کسی بھی ہندوستانی کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ علامہ اقبال نے لارڈ برکن ہیڈ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اپنے مندرجہ بالا بیان میں کہا کہ "قابلِ افسوس فرقہ وارانہ حالت مجبور کر رہی ہے کہ ہم ان کے بیانات اور اقوال کو طوعاً و کرہاً تسلیم کرلیں"۔ یہاں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ قائداعظم محمد علی جناح نے لارڈ برکن ہیڈ کے مندرجہ بالا بیان پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے "ہندوستان ریویو" میں Lord Birken Head's latest declaration on India کے زیرِ عنوان ایک مضمون لکھا۔ اس مضمون

---

[1] "گفتارِ قائداعظم" ص ۵۷۔ ۵۸۔

[2] "گفتارِ اقبال" ص ۵۲۔ ۵۶۔

میں قائداعظم نے لارڈ برکن ہیڈ کے بیان کے ایک ایک نکتے پر بحث کی اور سیکریٹری آف سیٹ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ "سیکریٹری آف سٹیٹ ہماری خواہشات جاننے کے بے بے تاب ہیں تو ہم یہ کہہ دیں کہ ہم انڈیا آفس بند کرنے اور سیکریٹری آف سٹیٹ کے عہدے کو ختم کرنے کے خواہش مند ہیں۔"[1]

۱۹ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ایک اور بیان میں علامہ اقبال نے قائداعظم کے ایک جوابی بیان پر کڑی نکتہ چینی کی۔ اس بیان میں علامہ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ہندو اور مسلمان صرف اتحاد و اتفاق سے ہی ہندوستان میں مستحکم سیاسی سلسلہ قائم کر سکتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اکثریت مسلمانوں کے ساتھ منصفانہ اور معقول تجاویز پر سمجھوتہ کرے۔ علامہ کی رائے تھی کہ ہندو مسلمانوں کے تعاون کے بغیر اور ان کو ان کے حقوق دیے بغیر سوراج کی منزل تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ علامہ نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ ہندو رہنما برطانوی حزب العمال کے ساتھ خفیہ سازشوں میں مصروف ہیں۔ علامہ نے اپنے بیان میں مسٹر جناح کو "چیف ایکٹر" کا خطاب دیا اور ان پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ "مسٹر جناح نے عجیب دقتِ نظر سے اپنے تین دل پسند امور پر زور دیا ہے ــ یعنی خودداری، مادرِ ہند سے وفاداری اور مقاطعہ کے فوائد۔ اس سے ہم کو روشن تاریخ کی ایک سادہ کہانی یاد آگئی ہے۔ کسی پر تکلف دعوت میں گوناں گوں گوشت اور شکار کی نمائش کی گئی تھی۔ لیکن آخر کار معلوم ہوا کہ یہ سب معمولی خنزیر کا گوشت تھا جس کو باورچی کی کاریگری نے مختلف صورتوں میں پیش کیا تھا۔ موجودہ صورت میں بھی مسٹر جناح ہندوستانی قومیت کو مختلف فریب آمیز صورتوں میں مسلمانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔"[2] اس لیے کمیشن سے تعاون کے سلسلے میں علامہ اقبال کی یہ رائے کہ چونکہ ہندو دولت، سیاسی اثر و رسوخ اور تعداد کے لحاظ سے مسلمانوں سے بہت آگے ہیں اس لیے جب تک مسلمان انگریز حکومت اور ہندوؤں سے اپنے حقوق کا مطالبہ مستعدی اور سرگرمی سے نہ کریں گے، "مسلمانوں کی سیاسی موت مسلمہ ہے۔" اس لیے آپ کمیشن سے تعاون پر زور دے رہے تھے۔ یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ علامہ اقبال نے سائمن کمیشن کے بارے میں جو بیانات دیے ان میں ان کا نقطہ نظر "پنجابی نقطہ نظر" تھا جب کہ

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو، راقم کی کتاب Writings of Quaid-e-Azam

[2] "گفتارِ اقبال" / ۶۱-۶۳

قائداعظم آل انڈیا بنیادوں پر سوچ رہے تھے ۔ قائداعظم کا کہنا تھا کہ ہندو اور مسلمان دونوں کو مل کر کمیشن کا بائیکاٹ کرنا چاہیے ۔ جب کہ علامہ اقبال کا کہنا تھا کہ ہندوؤں کو چاہیئے کہ وہ پہلے مسلمانوں کے ساتھ فرقہ وارانہ معاملات طے کریں تاکہ حقیقی اتحاد کی فضا پیدا ہو سکے ۔

یوں سائمن کمیشن قائداعظم اور علامہ اقبال کے درمیان اختلافات کا دوسرا سبب بنا ۔

سائمن رپورٹ

سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ سائمن کمیشن سے تعاون اور عدم تعاون کرنے والے اقبال اور قائداعظم نے سائمن رپورٹ کے متعلق ایک ہی رائے قائم کی۔ دونوں زعماء سائمن رپورٹ سے مطمئن نہیں تھے۔ ۲۴ جون ۱۹۳۰ء کو علامہ اقبال نے سائمن رپورٹ کے متعلق ایک بیان دیا علامہ کی رائے میں اس رپورٹ میں فیڈرل اسمبلی کی ترتیب کے علاوہ کوئی اور "جدت" نہیں تھی۔ علامہ نے صوبجاتی خودمختاری کو "غیر واضح" اور "غیر نمایاں" قرار دیا۔ پنجاب کے بارے میں کمیشن نے جو تجاویز پیش کیں علامہ نے ان پر کڑی نکتہ چینی کی اور کمیشن پر "جانب داری" کا الزام عائد کیا علامہ اقبال نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا کہ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں یہ رائے تو ظاہر کی کہ بنگال اور پنجاب میں فرقہ وار حکومت قائم ہو جائے گی مگر کمیشن نے اس قسم کی "چھ ہندو فرقہ وارانہ" حکومتوں کو نظر انداز کر دیا۔ آپ نے سندھ اور شمال مغربی سرحدی صوبے سے متعلق مسلمانوں کے مطالبات کو پورا نہ کرنے پر "سخت مایوسی" کا اظہار کیا۔ اپنے بیان کے آخر میں علامہ نے فرمایا کہ "رپورٹ کی تہ میں جو پالیسی کارفرما ہے اس کا مطلب ہمارے نزدیک اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمانوں کے اہم مطالبات کو ٹھکرا کر انتہا پسند ہندوؤں کو خوش کرنا مقصود ہے"[۱]

دوسری طرف قائداعظم نے بھی سائمن رپورٹ پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ ۲۴ جون ۱۹۳۰ کو آپ نے ایک بیان میں کہا کہ "یہ سفارشات ہندو و مسلمانوں میں سے کسی کے لیے بھی قابل قبول نہیں ہیں۔ میں ان فیصلوں کو اس وجہ سے بھی اہمیت نہیں دیتا کہ آخری فیصلہ لندن کانفرنس حکومت برطانیہ اور پارلیمنٹ کے ہاتھ میں ہے۔"[۲] اپنے ایک اور بیان میں قائداعظم نے سائمن

۱۔ گفتارِ اقبال، ص ۱۰۷ - ۱۰۸۔

۲۔ روزنامہ "انقلاب"، لاہور، ۲۷ جون ۱۹۳۰ء، ص ۶۔

رپورٹ کو "غیر اطمینان بخش" بتاتے ہوئے یہ واضح کیا کہ "اسمبلی کے منتخب شدہ اراکین کے لیے سائمن رپورٹ ناقابلِ قبول ہے"[1]

---

[1] "گفتارِ قائدِ اعظم" / ۹۴-

نہرو رپورٹ

قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے درمیان نہرو رپورٹ اختلاف کا تیسرا سبب بنی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہرو رپورٹ ہی نے دونوں زعماء کو ذہنی طور پر ایک دوسرے کے قریب آنے میں تھوڑی بہت مدد ضرور دی۔ وہ اس طرح کے نہرو رپرٹ میں جب مسلمانوں کے تمام مطالبات نظرانداز کر دیے گئے۔ تو دونوں زعماء نے آیندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں جو کچھ سوچا اس میں ایک بات مشترکہ ضرور تھی کہ ہندو کے ساتھ معاملات نپٹانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

سیکریٹری آف سٹیٹ لارڈ برکن ہیڈ نے جب ہندوستانیوں کو ایک متفقہ آئین بنانے کا چیلنج دیا تو ہندوستانیوں نے اس چیلنج کو قبول کیا اور ایک آل پارٹیز کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا۔ ۱۹ مئی ۱۹۲۸ء کو ہندوستان کی تمام قابلِ ذکر سیاسی جماعتوں نے اس اجلاس میں شرکت کی۔ چونکہ اس اجلاس میں بھانت بھانت کی بولیاں بولنے والے لیڈر اور متضاد خیال رکھنے والی سیاسی جماعتیں حصہ لے رہی تھیں۔ اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا کہ آئین سازی کا کام ایک مختصر سی کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ پنڈت موتی لال نہرو کی سربراہی میں ۹ ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کی گئی جس کو نہرو کمیٹی کا نام دیا گیا۔ اس کمیٹی نے جو رپورٹ (آئین) تیار کی اس کو نہرو رپورٹ کہا جاتا ہے۔ اس کمیٹی میں دو مسلمان سر علی امام اور شعیب قریشی بھی شامل تھے۔ سر علی امام نے ایک بھی میٹنگ میں شرکت نہ کی جب کہ شعیب قریشی نے رپورٹ پر اختلافی نوٹ لکھا جس کو شائع کرنے کی پنڈت موتی لال نہرو میں جرأت نہ ہو سکی۔

نہرو کمیٹی نے جو آئین تیار کیا اس میں مسلمانوں کے تمام اہم مطالبات عملاً نظرانداز کر دیے گئے۔ جداگانہ انتخاب، مرکزی اسمبلی میں ایک تہائی نمائندگی، وفاقی آئین، صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری، سندھ کی بمبئی سے علٰحدگی، بلوچستان اور صوبہ سرحد میں اصلاحات کا اجرا یہ وہ اہم امور

تھے جن سے مسلمانوں کی بقا وابستہ تھی مگر نہرو رپورٹ نے مسلمانوں کے ان تمام مطالبات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔

نہرو رپورٹ کی تیاری کے دوران قائداعظم انگلستان میں مقیم تھے۔ آپ ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو انگلستان سے بمبئی واپس پہنچے۔ بمبئی میں فری پریس کے نمائندہ سے گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "مجھے نہرو رپورٹ کے بغور مطالعہ کا موقع نہیں ملا ہے اور نہ فیصلہ جات لکھنؤ کی کوئی مستند روئیداد میرے پاس پہنچی ہے۔ البتہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان فیصلوں نے نہرو رپورٹ کی بعض تجاویز کی صورت کو بدل دیا ہے۔" قائداعظم نے ہندو مسلم تنازعات دور کرنے کی اس سعی پر مختلف رہنماؤں کی جدوجہد کی تعریف کی۔[1] اس موقعے پر قائداعظم ہندو مسلم اتحاد کے زبردست داعی تھے اور اس کے لیے انہوں نے تجویز کیا کہ "وہ ہندوؤں کو لازم ہے کہ وہ زیادہ فراخ دلی اور رواداری سے کام لیں اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اعتماد کو وسعت دیں۔"[2] قائداعظم کی خواہش تھی کہ نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کی حسب منشاء ترامیم شامل ہو جائیں۔ ہندوستان واپس پہنچ کر قائداعظم نے یہاں کی سیاسی صورت حال کا بغور مطالعہ کیا۔ ۲ نومبر ۱۹۲۸ء کو آپ نے پنڈت موتی لال نہرو کو ایک خط سے مطلع کیا کہ "ہندو مسلم مفاہمت کے متعلق جو تجاویز (نہرو رپورٹ) آپ نے مرتب کی ہیں ان کو میں مسلم تجاویز دہلی جن کو حقیقتاً مدراس کانگرس اور مسلم لیگ ۱۹۲۷ء میں منظور کر چکی ہیں، کے خلاف سمجھتا ہوں۔" اپنے اس خط میں قائداعظم نے پنڈت نہرو سے اپیل کی کہ مجوزہ کنونشن کو مسلم لیگ کے آئندہ اجلاس دسمبر تک ملتوی کر دیا جائے۔[3] اس کنونشن میں نہرو رپورٹ کو منظوری کے لیے پیش کیا جانا تھا۔

ابھی تک قائداعظم اس تگ و دو میں لگے ہوئے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کی کوئی صورت نکل آئے آپ نہرو رپورٹ کو اس کی موجودہ شکل میں قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور اسی غرض سے بار بار، زور دے رہے تھے کہ مجوزہ کنونشن کا اجلاس اس وقت تک نہ بلایا جائے جب تک کہ آل انڈیا

---

[1] روزنامہ "انقلاب"، لاہور، ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۸ء/ ۵۔

[2] ایضاً / ۵

[3] روزنامہ "انقلاب"، لاہور، ۶ نومبر ۱۹۲۸ء/ ۴

مسلم لیگ اپنے اجلاس میں نہرو رپورٹ کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر لے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے ایک نمائندے سے بمبئی میں ملاقات کے دوران آپ نے فرمایا، نہرو کمیٹی کو لازم ہے کہ جب تک مختلف جماعتیں اپنے اپنے اجلاس منعقد نہیں کر لیتیں وہ کنونشن کے اجلاس کو ملتوی کر دے۔

مجھے امید ہے کہ نہرو کمیٹی کنونشن کا اجلاس منعقد کرنے میں عجلت سے کام نہیں لے گی۔" قائداعظم نے اپنے اس بیان میں ہندو مسلم اتحاد کو ہندوستان کی آئندہ ترقی کا راز قرار دیا۔[1]

قائداعظم کی زیرِ صدارت بمبئی پریذیڈنسی مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا جہاں نہرو رپورٹ کے متعلق ایک قرارداد پاس کی گئی۔ اس قرارداد میں کہا گیا کہ نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے حقوق کی محافظت نہیں کی گئی۔ اجلاس کے بعد قائداعظم نے اس قرارداد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "جہاں تک مجھے علم ہے کوئی شخص ایسا نہیں جو یہ کہتا ہو کہ نہرو رپورٹ الہامی صحیفہ ہے اور صرف یہی امر کہ ایک نہایت ہی اہم مجلس کلکتہ میں رپورٹ پر غور کرنے والی ہے اور آخری فیصلہ اسی کا ہو گا اس کے لیے کافی دلیل ہے۔"[2]

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا جہاں اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ قائداعظم کی زیرِ قیادت ایک کمیٹی مجوزہ کنونشن میں شرکت کے لیے بھیجی جائے۔ اس کمیٹی نے نہرو رپورٹ میں ترامیم کا مسودہ مرتب کیا تاکہ کنونشن میں اسے پیش کیا جائے۔ چنانچہ آل پارٹیز کنونشن میں قائداعظم نے شرکت کی اور کنونشن پر زور دیا کہ وہ نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کی مجوزہ ترامیم شامل کر لیں تاکہ ہندو مسلم اتحاد کی راہ ہموار ہو سکے۔ مگر قائداعظم کی تمام ترامیم مسترد کر دی گئیں اور آپ کو کہنا پڑا کہ "اب ہمارے تمہارے راستے جدا جدا ہیں"۔

اب قائداعظم نہرو رپورٹ کو کسی بھی صورت قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ مرکزی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے واضح کیا کہ "نہرو رپورٹ مسلمانوں کے مطالبات کے برعکس مرتب کی گئی ہے اور اس کو مسلمانوں نے منظور نہیں کیا ہے۔"[3] روزنامہ انقلاب کے نمائندہ خصوصی سے گفتگو کرتے

---

[1] - روزنامہ "انقلاب"، لاہور، ۱۷ نومبر ۱۹۲۸ء / ۴۔

[2] - ایضاً، ۴ دسمبر ۱۹۲۸ء / ۵

[3] - "گفتارِ قائداعظم" / ۷۰۔

ہوئے آپ نے کہا کہ "جس حد تک نہرو رپورٹ کے اصول اساسی کا ذکر ہے میں ان کے سخت مخالف ہوں اور میرے نزدیک یہ اصول مسلمانوں کے مقاصد کے منافی ہیں اس لیے میں نہرو رپورٹ کا مخالف ہوں۔ میرے خیال میں نہرو رپورٹ میں مسلمانوں کے مقاصد اساسی کی حفاظت کے لیے کوئی سامان موجود نہیں۔"[1] اخبار ڈیلی کرانیکل کے نمائندے سے دوران گفتگو میں آپ نے نہرو رپورٹ کے بارے میں بہت زور دیکر فرمایا "مسلم قوم نہرو رپورٹ کو ہرگز منظور نہیں کر سکتی اور ایسا ہرگز نہ کرے گی۔ کسی قسم کی چال بازیاں عامۃ المسلمین سے نہرو رپورٹ کی منظوری حاصل نہیں کر سکتیں۔"[2]

نہرو رپورٹ کی اشاعت کے بعد مسلم قوم تین حصوں میں بٹ گئی نیشنلسٹ گروپ اس رپورٹ کو من وعن قبول کرنے پر زور دے رہا تھا جب کہ دوسرا گروپ جس کی قیادت سر میاں محمد شفیع کر رہے تھے نہرو رپورٹ کو کسی بھی صورت قبول کرنے کو تیار نہیں تھا۔ تیسرا گروپ جس کی زمام قیادت قائداعظم کے ہاتھوں تھی نہرو رپورٹ کو اس صورت میں قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کر رہا تھا بشرطیکہ اس میں مسلمانوں کی حسب منشاء ترامیم شامل کر لی جائیں۔

چونکہ اس دور میں علامہ اقبال کا تعلق سر محمد شفیع کی لاہور لیگ سے تھا اس لیے آپ بھی نہرو رپورٹ کے سخت مخالفین میں شمار ہوتے تھے۔[3] لیکن ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ شروع میں نہرو رپورٹ کے سرسری مطالعہ کے بعد علامہ نے اپنے ایک بیان میں رپورٹ کو "صحیح الدماغی" کا نمونہ بتلایا۔ ۲۰ اگست ۱۹۲۸ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس کو ایک بیان دیتے ہوئے آپ نے فرمایا "میں نے جو کچھ پڑھا ہے اس سے میں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ یہ صحیح الدماغی کا ایک نمونہ ہے اور اس سے ملک کے اہم آئینی مشکلات کے حل کرنے کی حقیقی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ ہر ایک ہندوستانی ان ممتاز ہندوستانی قانون دانوں کی مرتب کردہ رپورٹ کو فخر و مباہات کے جذبات کے بغیر مطالعہ نہیں کرے گا۔"[4]

---

[1] "گفتارِ قائداعظم" / ۷۶   [2] روزنامہ "انقلاب" لاہور، ۱۹ اپریل ۱۹۲۹ / ۵

[3] عبدالمجید سالک، "ذکرِ اقبال"، لاہور، سن ندارد ص ۲۱۔

[4] "گفتارِ اقبال" / ۶۶۔

علامہ اقبال نے اپنے اس بیان میں نہرو رپورٹ کے چند اہم نکات پر تبصرہ بھی کیا۔ نہرو رپورٹ نے ہندوستان کے لیے درجہ مستعمرات dominion status کا مطالبہ کیا تھا۔ علامہ نے رپورٹ کے مرتبین سے اس بارے میں "کلی اتفاق" کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ "اس رپورٹ میں درجہ مستعمرات کے مطالبے سے اہل ملک کے صحیح جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے تمام ملک اس سے زیادہ کسی قسم کی حکومت کا خواستگار نہیں" اس بیان کے آخر میں علامہ نے ملک کی سیاسی جماعتوں پر زور دیا کہ وہ اس رپورٹ کی طرف توجہ دیں اور "فرقہ وار تنازعات میں اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے دستور اساسی کے متعلق کسی مستحسن باہمی سمجھوتے پر پہنچیں کیونکہ اسی پر ملک کی موجودہ نجات اور آئندہ عظمت کا انحصار ہے۔"[1]

شروع میں علامہ اقبال نہرو رپورٹ کو ملک کی آئینی مسائل کے حل کی کوشش سمجھ رہے تھے مگر ایک تو چونکہ آپ کا تعلق آل انڈیا مسلم لیگ کے شفیع گروپ سے تھا اور دوسرے رپورٹ کے تفصیلی مطالعہ کے بعد آپ نے اس کے متعلق اپنی رائے بدل لی اور پھر اسی رائے پر قائم رہے اور اس رپورٹ کو کسی بھی صورت میں قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ بعد میں علامہ نہرو رپورٹ کی سختی سے مخالفت کرتے رہے۔ مارچ ۱۹۲۹ء میں نہرو رپورٹ کو آل انڈیا مسلم لیگ (جناح لیگ) کے ایک اجلاس میں نہرو رپورٹ کے چند حامیوں نے قائد اعظم کی غیر موجودگی میں اس کی تائید میں ایک قرارداد منظور کرانی چاہی اس واقعہ پر، ۷ اپریل ۱۹۲۹ء کو علامہ اقبال نے جو بیان جاری کیا اس سے نہرو رپورٹ کے بارے میں، علامہ کے سخت موقف کا واضح اظہار ہوتا ہے۔ علامہ نے اپنے اس بیان میں بار بار اس امر پر زور دیا کہ نہرو رپورٹ کے حامی صرف ایک "مختصر سی ٹولی" پر مشتمل ہیں اور عام مسلمانوں کی رائے نہرو رپورٹ کے مخالف ہے۔[2]

اگرچہ نہرو رپورٹ بھی دونوں لیڈروں کے درمیان اختلاف کا ایک سبب بنی لیکن اس رپورٹ نے دونوں کو ایک ہی نتیجے پر پہنچایا۔ نہرو رپورٹ کی منظوری کے بعد ایک طرف تو قائد اعظم پر ہندو ذہنیت

۱۔ "گفتار اقبال" / ۶۹

۲۔ ایضاً / ۸۷-۹۱۔

بالکل واضح ہوگئی اور دوسری طرف علامہ اقبال کا بھی یہ یقین پختہ ہوگیا کہ ہندو قوم مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے اجلاس دہلی (۱۹۲۹ء) میں آپ یہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ "گزشتہ تین چار سال سے ہم کو جو مشاہدات و تجربات حاصل ہو رہے ہیں وہ نہایت مفید اور نتیجہ خیز ہیں۔ ہم کو جو باتیں اپنے برادرانِ وطن کے متعلق قیاسی طور پر معلوم تھیں اب وہ یقینی طور پر، ہمارے علم میں آگئیں"[۱]

خیالات میں ہم آہنگی و یکسانیّت

گزشتہ باب میں بتلایا گیا کہ قائداعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال کے درمیان جداگانہ انتخاب دہلی مسلم تجاویز، سائمن کمیشن اور نہرو رپورٹ اختلاف کا سبب بنیں۔ مختلف مسائل پر متضاد رائے رکھنے والے دونوں زعماء چند سیاسی مسائل اور معاملات کے بارے میں یکساں خیالات رکھتے تھے۔ ہندوستانی سیاست سے متعلق بہت سے اہم سیاسی و آئینی مسائل ایسے تھے جن کے متعلق دونوں زعماء کی رائے ایک ہی جیسی تھی۔ اگر دونوں زعماء کی سیاسی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لیڈروں کے اختلافات کا عرصہ صرف ۱۹۲۷ء سے ۱۹۲۹ء تک محدود ہے اور اس عرصہ میں بھی زیادہ تر اختلاف سائمن کمیشن کے بارے میں پیدا ہوا وگرنہ اکثر و بیشتر مسائل پر دونوں ایک جیسی رائے رکھتے تھے۔ دونوں کے خیالات میں یکسانیت اور ہم آہنگی تقریباً ۱۹۲۹ء سے شروع ہو چکی تھی۔ قائداعظم نے خود ۱۶ مئی ۱۹۴۴ء کو انعام اللہ خاں کو اپنے خط میں اسی امر کا اعتراف کیا کہ اقبال کے اور میرے درمیان ۱۹۲۹ء سے ہی خیالات میں یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا ہو چکی تھی۔[1] اب ان اہم سیاسی امور کا جائزہ لیا جاتا ہے جن پر دونوں زعماء کے خیالات ایک جیسے تھے۔

علیحدگیِ سندھ

انگریزوں نے سندھ پر ناجائز قبضے کے بعد اس کو صوبہ بمبئی سے ملحق کر دیا اور یوں مسلمانوں کا اکثریتی صوبہ اپنی جداگانہ حیثیت کھو بیٹھا۔ چونکہ سندھ اور بمبئی میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں تھی اس لیے مسلمانانِ سندھ اور دوسرے صوبوں کے مسلمان دیر سے مطالبہ کرتے چلے آ رہے تھے کہ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کیا جائے اور اس کو ایک الگ صوبے کی حیثیت دی جائے۔ مسلمانوں کے یہ دونوں

---

1. Pakistan Times, 25 Dec. 1976

زعماء سندھ کو بمبئی سے جدا کر کے ایک علیحدہ صوبہ بنانے کے زبردست حامی تھے۔

قائداعظم محمد علی جناح کی "دہلی مسلم تجاویز" میں بھی سندھ کی بمبئی سے علیحدگی ایک اہم شرط کے طور پر شامل تھی۔ قائداعظم نہرو رپورٹ میں جن ترامیم کو شامل کرانے کے متمنی تھے ان میں سندھ کی علیحدگی کا مسئلہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسی طرح آپ کے چودہ نکات میں بھی سندھ کی علیحدگی کا مطالبہ شامل تھا پہلی گول میز کانفرنس میں بھی قائداعظم نے سندھ کی علیحدگی سے متعلق اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ ۱۲ جنوری ۱۹۳۱ء کو قائداعظم کو سندھ سے متعلق سب کمیٹی sub committee کا رکن مقرر کیا گیا۔ آپ نے سب کمیٹی کی کاروائی میں گہری دلچسپی لی اور علیحدگی سندھ کی زبردست حمایت کی۔ قائداعظم کی دلیل یہ تھی کہ چونکہ سندھ کی انتظامیہ بمبئی کی انتظامیہ سے بالکل جدا ہے اور عدالتی نظم و نسق کے سلسلے میں بھی چونکہ سندھ آزاد ہے اس لیے اسے بمبئی کے تحت کیوں رکھا جا رہا ہے۔ جو لوگ سندھ کی علیحدگی کے خلاف تھے وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ سندھ اپنے اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکے گا۔ قائداعظم اس مفروضے میں یقین نہیں رکھتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ سندھ ایک خود کفیل صوبہ ہے جو اپنے اخراجات کا خود متحمل ہو سکتا ہے۔ سب کمیٹی میں اسی موضوع پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا "تھوڑی دیر کے لیے میں بحیثیت بمبئی کے نمائندہ کے کہتا ہوں کہ اگر واقعی سندھ خسارے کا صوبہ ہے تو آخر اس کو بمبئی کے ساتھ ہی کیوں ملحق کیا گیا ہے۔ اس صوبے کو کسی اور صوبے کے ساتھ ملحق کر دینا چاہئیے" آپ نے اس امر کی تردید کرتے ہوئے کہ سندھ ایک خسارے کا صوبہ ہے فرمایا کہ "میرا خیال ہے کہ سندھ خسارے کا صوبہ نہیں ہے لیکن اگر یہ خسارے کا صوبہ ہے تو اس سفید ہاتھی (سندھ) کو کسی اور صوبے سے ملحق کر دینا چاہیے۔"[11] قائداعظم نے سب کمیٹی کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ سندھ کی علیحدگی کے خلاف کئی ایک طبقات ہو سکتے ہیں لیکن سب کمیٹی کو چاہیے کہ وہ صرف سندھ کے لوگوں کے مفاد اور ان کی خوشحالی ہی کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی فیصلہ کرے۔[12] قائداعظم نے سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کرنے کی جدوجہد جاری رکھی یہاں تک کہ آپ کی کوششوں سے یکم اپریل ۱۹۳۶ء کو سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے ایک جداگانہ صوبے کی حیثیت دے دی گئی۔

---

[11] M. Rafique Afzal: Speeches and Statements of Quaid-e-Azam Jinnah, Research Society of Pakistan, 1973. P. 381

[12] Ibid, P. 385

قائد اعظم کی مانند علامہ اقبال بھی سندھ کی بمبئی سے علحدگی کے زبردست خواہاں تھے۔ قائد اعظم کی مانند آپ کی بھی یہ رائے تھی کہ چونکہ سندھ اور بمبئی میں کوئی چیز بھی مشترک نہیں اس لیے سندھ کو بمبئی سے علحدہ کر دیا جائے۔ ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے آپ نے سندھ کی علحدگی کا پرزور مطالبہ کیا۔ اپنے مشہور خطبہ میں آپ نے فرمایا: "احاطہ بمبئی اور سندھ میں کوئی چیز تو مشترک نہیں۔ علاوہ ازیں اگر سندھ کے ان زراعتی مسائل جن سے حکومت بمبئی کو مطلق کوئی ہمدردی نہیں اور اس کی بے شمار تجارتی صلاحیتوں کا لحاظ رکھا جائے اس لیے کہ کراچی بڑھتے بڑھتے ایک روز لازماً ہندوستان کا دوسرا دارالسلطنت بن جائے گا تو صاف نظر آتا ہے کہ اس کا احاطہ بمبئی سے ملحق رکھنا مصلحت اندیشی سے کس قدر دور ہے۔" [1]

علامہ اقبال نے سائمن کمیشن رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے بھی سندھ کی علحدگی کا سوال اٹھایا۔ چونکہ سائمن رپورٹ میں سندھ کی علحدگی کے سوال پر پوری طرح غور نہیں کیا گیا تھا اس لیے علامہ نے سائمن رپورٹ پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا "سندھ کی علحدگی کے مسئلہ سے عملی طور پر بے پروائی کا اظہار کیا گیا ہے یہ متنازعہ فیہ مسئلہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت تک چین سے نہ بیٹھنے دے گا جب تک نئے دستور کے نفاذ سے قبل اس کا کوئی اطمینان بخش تصفیہ نہیں ہو جاتا۔" [2]

شمال مغربی سرحدی صوبے میں اصلاحات

دونوں سیاسی رہنما دوسرے جس امر پر متفق تھے وہ سرحدی صوبے میں اصلاحات کے اجراء کا معاملہ تھا۔ چونکہ صوبہ سرحد آئینی اصلاحات سے محروم تھا اس لیے مسلمانوں کا دیرینہ مطالبہ تھا کہ اس صوبے میں بھی اصلاحات رائج کی جائیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے بھی مسلمانوں کے اس مطالبے سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے صوبہ سرحد میں اصلاحات کے اجراء کا پرزور مطالبہ کیا۔ ۱۶ فروری ۱۹۲۶ء کو مرکزی اسمبلی

---

[1] لطیف احمد شروانی، "حرف اقبال" (المنار اکادمی لاہور) ص ۴۹۔

[2] گفتار اقبال، ص ۱۰۸۔

میں مسلم لیگ کے ممبر سید مرتضیٰ نے صوبہ سرحد میں اصلاحات کے اجراء سے متعلق ایک قرارداد پیش کی۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے ۱۸ مارچ ۱۹۲۶ء کو اس قرارداد پر بحث کرتے ہوئے صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کی زبردست حمایت کی۔ ہندو سیاست دان صوبہ سرحد میں اصلاحات کے اجراء کی اس بنا پر مخالفت کرتے تھے کہ وہاں پانچ فیصد ہندو آباد تھے۔ اس لیے ان کو ڈر تھا کہ کہیں ان کو نقصان نہ پہنچے۔ اس لیے پانچ فیصد ہندوؤں کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ ۹۵ فیصد مسلمانوں کے حقوق کو غصب کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں یہ تجویز پیش کرتے تھے کہ اگر صوبہ سرحد کا الحاق پنجاب کے ساتھ کر دیا جائے تو سرحد کی پانچ فیصد ہندو آبادی مطمئن ہو سکتی ہے۔ قائد اعظم کا مطالبہ تھا کہ صوبہ سرحد کا الحاق خواہ پنجاب سے ہو یا نہ ہو مگر وہاں اصلاحات کا اجراء ضروری ہے۔

۱۹۲۷ء میں دہلی مسلم تجاویز میں قائد اعظم نے ایک مرتبہ پھر صوبہ سرحد میں اصلاحات کے اجراء پر زور دیا۔ ۱۹۲۸ء میں مرکزی اسمبلی میں سرفراز حسین خاں کی تخفیف زر کی تحریک پر بحث کرتے ہوئے، قائد اعظم نے ایک مرتبہ پھر صوبہ سرحد میں اصلاحات کے نفاذ کا مسئلہ اٹھایا۔ آپ نے دریافت کیا کہ اس مسئلے پر گزشتہ پانچ سال سے غور و خوض ہو رہا ہے آخر یہ مسئلہ کب طے ہو گا؟ قائد اعظم نے اس بارے میں حکومت کے تساہل پر کڑی نکتہ چینی کی اور طنزیہ انداز میں دریافت کیا کہ "مجھے یقین ہے کہ سرزمین برے اصلاحات کے متعلق اس صدی کے خاتمے سے پہلے ضرور اعلان کریں گے"۔[1] قائد اعظم کے مشہور چودہ نکات میں بھی صوبہ سرحد میں اصلاحات کے اجراء کا مطالبہ شامل کیا گیا تھا۔

قائد اعظم کی مانند علامہ اقبال بھی صوبہ سرحد میں اصلاحات کے اجراء کی پرزور وکالت کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے بھی اس مسئلے کے بارے میں اپنی رائے کا نہایت وضاحت کے ساتھ اعلان کیا۔ ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے صدارتی خطبے میں اس اہم معاملے پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ "کمیشن (سائمن کمیشن) نے عملاً اس امر سے انکار کیا ہے اس صوبے کے باشندوں کو اصلاحات کا حق حاصل ہے۔ ان کی سفارشات برے کمیٹی سے بھی کم ہیں اور وہ جس کونسل کی تجویز پیش کرتے ہیں وہ چیف کمشنر کی مطلق العنانی کے لیے محض ایک آڑ کا کام دے گی۔ افغانوں کا یہ پیدائشی حق کہ وہ سگریٹ

---

1. Speeches of Muhammad Ali Jinnah/285-288

روشن کرسکیں محض اس لیے سلب کر دیا گیا کہ وہ ایک بارودخانے میں رہتے ہیں۔ ارکانِ کمیشن کی یہ دلیل کسی قدر بھی لطیف کیوں نہ ہو اس سے کسی جماعت کا اطمینان نہیں ہو سکتا۔ سیاسی اصلاحات کی مثال روشنی کی سی ہے نہ کہ آگ کی اور ہمارا فرض ہے کہ ہم تمام انسانوں کو یہ روشنی پہنچائیں خواہ وہ بارود میں رہتے ہوں یا کوئلے کی کان میں ہ[1]

فرقہ وار فیصلے- Communal Award

دوسری گول میز کانفرنس کے دوران برطانوی وزیرِ اعظم نے یہ اعلان کیا کہ اگر ہندوستانی نمایندے کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے تو اس صورت میں برطانوی حکومت اپنی طرف سے فیصلہ نافذ کر دے گی چنانچہ حکومت نے فرقہ وار فیصلے کا اعلان کیا جس کے تحت مختلف قوموں کی نمایندگی کا اعلان کیا گیا۔ مسلمانوں کے لیے اگرچہ اس ایوارڈ میں جداگانہ انتخاب کا حق جاری رکھا گیا تھا لیکن مسلمان اس فیصلے پہ مطمئن نہیں تھے۔

علامہ اقبال اور قائد اعظم فرقہ وار فیصلے کے متعلق ہی ایک جیسی رائے رکھتے تھے۔ دونوں کا خیال تھا کہ اگرچہ فرقہ وار فیصلہ مسلمانوں کے تمام مطالبات کو پورا نہیں کرتا لیکن جب تک کوئی دوسرا فیصلہ نہیں ہو جاتا اس وقت تک مسلمانوں کو اس فیصلے کی حمایت کرنی چاہیے۔ علامہ اقبال نے فرقہ وار فیصلے پر کرمی نکتہ چینی کرتے ہوئے اپنے صدارتی خطبے (۱۹۳۰) میں فرمایا کہ "بمبئی کے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ حکومت برطانیہ کی بجائے یہ کام ڈاکٹر اقبال کے سپرد ہوتا تو بھی یہی فیصلہ ہوتا۔ میں ان صاحب کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے فرقہ وار مسئلے کا فیصلہ کرنا میرے ذمے ہوتا تو میں مسلمانانِ ہند سے ہرگز اتنی ناانصافی نہ کرتا جتنی کہ موجودہ فیصلے میں کی گئی ہے۔" علامہ نے اس فیصلے کو مسلمانوں کے ساتھ "صریح ناانصافی" قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ "میں کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس فیصلے کے خلاف جتنی جائز شکایات مسلمانانِ ہند کو ہو سکتی ہیں کسی اور فرقے کو نہیں ہیں۔ میں تو حیران

---

[1] حرفِ اقبال ۰ / ۴۹۔

ہوں کہ برطانوی ضمیر نے کسی جماعت کے ساتھ اتنی صریح ناانصافی کو کیسے گوارا کیا ہے۔[۱]

علامہ اقبال اگرچہ کمیونل ایوارڈ کو مسلمانوں کے ساتھ صریح زیادتی تصور کرتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کی یہی رائے تھی کہ کسی دوسرے تصفیے تک فرقہ وار فیصلے کی حمایت کرنا ہی مسلمانوں کے لیے صحیح راہ عمل ہے۔ جون ۱۹۳۴ء میں کانگرس نے کمیونل ایوارڈ کے متعلق ایک منافقانہ قرارداد منظور کی کہ وہ اس فیصلے کو نہ تو منظور کرتی ہے اور نہ ہی مسترد۔ علامہ اقبال نے ۱۹ جون ۱۹۳۴ء کو کانگرس کی اس روش پر نکتہ چینی کرتے ہوئے فرمایا کہ "کانگرس کی مجلس عاملہ نے اس قرارداد کے ذریعے اپنی اندرونی فرقہ پرستی کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس کوشش میں اس نے اپنے مقاصد کو اس حد تک بے نقاب کر دیا ہے کہ کوئی مسلمان اب اس شعبدہ بازی سے متاثر نہیں ہو سکتا۔" علامہ اقبال نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ جرأت کے ساتھ فرقہ وار فیصلے کی حمایت کریں اگرچہ اس میں ان کے تمام مطالبات کو منظور نہیں کیا گیا تاہم یہی ایک راہ عمل ہے جس پر وہ ایک باعمل جماعت کی حیثیت سے گامزن ہو سکتے ہیں۔[۲]

joint parliamentary committee report

قائداعظم محمد علی جناح کی بھی فرقہ وارانہ فیصلے کے متعلق یہی رائے تھی۔ آپ نے ۷ فروری ۱۹۳۵ کو مرکزی اسمبلی میں جائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی رپورٹ پر تقریر کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ اگرچہ مسلمان بھی فرقہ وار فیصلے سے مطمئن نہیں ہیں لیکن جب تک فرقہ وار مسائل کا متبادل حل پیش نہیں کیا جاتا اس وقت تک انہیں فرقہ وار فیصلے کی ہی حمایت کرنی چاہیے۔[۳]

وائیٹ پیپر white paper

حکومت برطانیہ نے گول میز کانفرنسوں کی سفارشات پر مبنی ایک قرطاس ابیض white

---

۱۔ "حرف اقبال" ص/۲۰۴۔

۲۔ محمد احمد، "اقبال کا سیاسی کارنامہ" (کاروان ادب کراچی) ص/۱۰۵-۱۰۶۔

۳۔ Jamil-ud-din Ahmad: Speeches And Writing of Mr. Jinnah, (Sh. Ashraf, Lahore 1960), P.4

paper مارچ ۱۹۳۳ء میں شائع کیا۔ مسلمانانِ ہند کے دونوں مسلم رہنما وائٹ پیپر سے بالکل غیر مطمئن تھے اور دونوں نے اس کی مکمل کر مذمت کی۔ علامہ اقبال کے نزدیک "قرطاسِ ابیض۔ مسلمانوں کی غیر معمولی توجہ" کا طالب تھا۔ آپ نے اس کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اس میں جو قابلِ اعتراض باتیں تھیں ان پر نکتہ چینی کی۔ علامہ نے فیڈرل اسمبلی میں، مسلمانوں کی ناکافی نمائندگی کو "بے حد مایوس کن بتلایا۔ علامہ نے اس امر پر بھی اعتراض کیا کہ وائٹ پیپر میں ۹ نشستوں کو عورتوں کے لیے حقوقِ خصوصی کے طور پر مخصوص کر دیا گیا۔ چونکہ ان نشستوں میں رائے دہندگان کی اکثریت غیر مسلموں کی تھی اس لیے علامہ کے خیال میں "مسلم خواتین کا اسمبلی تک پہنچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہوگا۔" علامہ نے گورنروں کے بے حد وسیع اختیارات پر بھی کڑی نکتہ چینی کی۔ علامہ کے نزدیک سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس آئین میں مسلمانوں کے شرعی قانون کے مناسب تحفظ کا یقین نہیں دلایا گیا۔"[1]

وائٹ پیپر کے بارے میں علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کی رائے میں صرف ایک فرق تھا کہ علامہ نے اس کی مذمت میں سخت لفظ استعمال نہیں کیے جب کہ قائدِ اعظم نے وائٹ پیپر کی مذمت میں سخت ترین الفاظ استعمال کیے۔ قائدِ اعظم نے وائٹ پیپر کے متعلق فرمایا کہ "یہ ہندوستان کو جھانسہ دینے کا ایک طریقہ ہے۔"[2] آپ کے نزدیک وائٹ پیپر کا مقصد "وائٹ ہال سے ہندوستان پر حکومت کرنا ہے نہ کہ خود مختار حکومت کا قیام۔" قائدِ اعظم نے گورنر جنرل کی حیثیت اور اختیارات پر تبصرہ کرتے ہوئے گورنر جنرل کو "مطلق العنان ڈکٹیٹر" کا نام دیا۔[3] قائدِ اعظم کے خیال میں "وائٹ پیپر کی مذمت کے لیے کسی استدلال یا منطق کی ضرورت نہیں بلکہ وائٹ پیپر کی تجاویز کا ایک سرسری مطالعہ ہی کافی ہے۔"[4]

آل انڈیا فیڈریشن

۱۔ "حرفِ اقبال" ص ۲۱۳ - ۲۱۴۔

۲۔ "گفتارِ قائدِ اعظم" ص ۱۲۲۔

۳۔ ایضاً ص ۱۲۰۔ ۴۔ ایضاً ص ۱۲۶۔

قائد اعظم اور اقبال دونوں ہندوستان میں وفاقی طرزِ حکومت کے قیام کے حامی تھے۔ علامہ اقبال کی رائے میں وفاقی طرزِ حکومت ہی ہندوستان میں رائج کی جاسکتی تھی اور وحدانی طرزِ حکومت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اپنے مشہور خطبہ الٰہ آباد ۱۹۳۰ء میں آپ نے فرمایا کہ "میں مسلمانانِ ہند کو کبھی یہ رائے نہیں دوں گا کہ وہ کسی ایسے نظامِ حکومت سے خواہ وہ برطانوی ہو یا ہندی اتفاق کریں جو حقیقی فیڈریشن کے اصول پر مبنی نہ ہو یا جس میں ان کے جداگانہ سیاسی وجود کو تسلیم نہ کیا جائے۔"[۱]

لیکن ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں جس قسم کی فیڈریشن تجویز کی گئی تھی دونوں رہنما اس سے متفق نہیں تھے۔ علامہ کی رائے تھی کہ "اگر مسلمانوں نے اس سکیم (فیڈریشن) کو منظور کر لیا تو ان کا سیاسی وجود تھوڑے عرصے میں کالعدم ہو جائے گا کیونکہ اس فیڈریشن میں ہندو والیانِ ریاست کی اکثریت ہو گی اور وہی حکومت کے سیاہ و سفید کے مالک ہوں گے۔"[۲] علامہ اقبال کی رائے تھی کہ مجوزہ فیڈریشن میں شروع میں صرف برطانوی ہند کے صوبے شامل کیے جائیں اور صوبوں کو اقتدارِ اعلیٰ کا حق حاصل ہو۔ آپ نے اس بارے میں قائد اعظم اور نواب بھوپال کے رویے کو "سراسر حق بجانب قرار دیا۔"[۳]

قائد اعظم محمد علی جناح کی بھی یہی رائے تھی کہ اگرچہ ہندوستان کے لیے وفاقی طرزِ حکومت ناگزیر ہے لیکن ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں جس طرح کی فیڈریشن تجویز کی گئی ہے وہ مسلمانوں کے مطالبات اور خواہشات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اسی سبب آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے بمبئی اجلاس ۱۹۳۶ء میں فیڈرل سکیم کے متعلق ایک قرارداد پیش کی جس میں اس سکیم کو "بنیادی طور پر غلط" ناقابلِ عمل۔ اور اس پر نظرِ ثانی کے لیے کہا گیا۔

مغربی طرزِ جمہوریت

قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں اس امر پر بھی متفق تھے کہ برصغیر میں مغربی طرزِ جمہوریت کا مطلب

۱۔ "حرفِ اقبال" ص ۳۶-۳۷۔

۲۔ "حرفِ اقبال" ص ۳۸۔

۳۔ ایضاً " ص ۴۰۔

مستقل طور پر ہندو راج کا قیام ہو گا کیونکہ یہاں نہ تو ایک قوم آباد ہے اور نہ ہی وہ ایک زبان بولتے ہیں۔ علامہ نے اپنے خطبہ الہ آباد میں اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ "ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل، زبان اور مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود ہوتا ہے۔ علامہ نے ان حالات میں مغربی طرز جمہوریت کے نفاذ کو غیر مناسب قرار دیا۔

قائداعظم کی رائے میں بھی مغربی جمہوریت کا نفاذ ہندو راج کے قیام کے مترادف تھا۔ اپنے انہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ۳۵ ملین ووٹروں پر نظر رکھتے ہوئے جن کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ، جاہل اور صدیوں پرانی توہمات میں جکڑی ہوئی ہے اور جو اپنے کلچر اور تمدن کے اعتبار سے ایک دوسرے کی ضد ہیں مغربی طرز کی حکومت کا چلانا ناممکن ہے۔ آپ نے اس امر کا بھی واضح طور پر اعلان کیا کہ "ایسی جمہوریت کا مطلب صرف تمام ہندوستان میں ہندو راج کا قیام ہو گا"[1]

پنجاب اور بنگال کی اکثریت

ایک اور امر جس پر دونوں زعماء متفق تھے وہ یہ تھا کہ پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کو اکثریت حاصل ہونی چاہیے۔ الہ آباد میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا کہ اگر ہندو آج پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کو مان لیں تو اتحاد کے راستے کی تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں[2] ۱۱ اگست ۱۹۳۱ء کو لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے آپ نے ان ہی خیالات کا اظہار کیا کہ اگر ہندو پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت کو تسلیم کرنے پر تیار ہو جائیں تو پھر فرقہ وارانہ سوال کا حل بغیر کسی تکلیف کے حل ہو جائے گا[3] قائداعظم نے اپنی بے شمار تقاریر میں اس خیال کا اعادہ کیا کہ مسلمانوں کو بنگال اور پنجاب میں اکثریت ملنی چاہیے۔

علامہ اقبال بھی ہندو مسلم تنازعات کو طے کرنے کے لیے بنگال اور پنجاب میں مسلمانوں کو اکثریت

---

[1] Speeches and Writings of Mr. Jinnah, (Vol.I) P/89

[2] گفتار قائداعظم / ۱۰۲۔ [3] ایضاً / ۱۰۷۔

کا ملنا ضروری تصور کرتے تھے۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے روانگی سے قبل دہلی میں آپ نے تقریر کرتے ہوئے متنبہ کیا کہ "مجھے یقین ہے کہ اگر بنگال اور پنجاب کی اکثریت اور مسلمانوں کے دیگر مطالبات کو تسلیم نہ کیا گیا تو جو دستور بھی ہندوستان کو دیا جائے گا مسلمانانِ ہند اس کے پرخچے اڑا دیں گے۔"[1]

فلسطین

مسئلہ فلسطین کے بارے میں جس نے عربوں اور مسلمانانِ عالم کے سینوں کو چھلنی کر رکھا تھا۔ دونوں زعماء بہت مضطرب تھے۔ قائداعظم اور علامہ اقبال دونوں اہلِ فلسطین کے حقوق بحال کرانے، اور یہودیوں کے فلسطین میں داخلے کے سلسلے میں ایک جیسی رائے رکھتے تھے۔ دونوں زعماء اس مسئلے سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ علامہ اقبال نے ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۶ کو مولوی عبدالحق کو ایک خط میں تحریر کیا کہ "فلسطین کانفرنس کی صدارت سے کمر کی درد کی بنا پر مجبور رہوں حالانکہ مجھے مسئلہ فلسطین سے بے حد دلچسپی ہے۔"[2]

علامہ اقبال مسئلہ فلسطین کو "خالص اسلامی مسئلہ" سمجھتے تھے[3] فلسطین میں یہودیوں کے داخلے، کے زبردست مخالف تھے لندن میں ۹ اکتوبر ۱۹۳۱ کو تقریر کرتے ہوئے علامہ اقبال نے برطانوی حکومت سے مطالبہ کیا کہ اسے اہلِ فلسطین کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے اور اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم اعلان بالفور کا منسوخ کیا جانا ہے[4] اسی طرح ۶ دسمبر ۱۹۳۳ کو وائسرائے ہند کو ایک تار میں علامہ نے بالفور اعلان کو واپس لینے اور فلسطین میں یہودیوں کے داخلے کو ممنوع قرار دینے کا مطالبہ کیا۔[5]

علامہ اقبال نے مختلف فلسطین کانفرنسوں کی صدارت کی اور وہاں نہایت ہی جذباتی انداز میں تقاریر بھی کیں۔ اقبال کا کہنا تھا کہ اگر یہودیوں کا فلسطین پر کوئی حق ہے تو پھر عربوں کا حق سپین اور سسلی پر اور،

۱۔ محمد حمزہ فاروقی، سفرنامۂ اقبال، مکتبۂ معیار کراچی، ۱۹۷۳ء / ۱۵۔

۲۔ ممتاز حسن، "اقبال اور عبدالحق" مجلس ترقیِ ادب لاہور، ۱۹۷۲ء / ۴۶

۳۔ شیخ عطاءاللہ "اقبال نامہ"، جلد اوّل، شیخ محمد اشرف لاہور، سن ندارد / ۴۵۱ تا ۴۵۶۔

۴۔ "سفرنامۂ اقبال" / ۳۲-۳۳۔ ۵۔ "گفتارِ اقبال" / ۱۷۹۔

دوسری یورپین مفتوحہ اقوام پر کیوں نہیں ہو سکتا۔

اقبال کی مانند قائد اعظم بھی فلسطینی عربوں کے موقف کی پر زور حمایت اور اس سلسلے میں برطانوی پالیسیوں کی مذمت کرتے رہے۔ ۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں آپ نے بھی اعلان بالفور کی مذمت کی اور برطانوی حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر رائل کمیشن کی سفارشات کو منظور کیا گیا اور برطانیہ اپنے وعدوں پر قائم نہ رہا تو "ساری دنیا کے مسلمان اسے آگاہ کرتے ہیں کہ وہ خود اپنی قبر کھودنے کا مرتکب ہوگا"۔[۱] اسی طرح ۱۹۳۸ء میں آپ نے دوبارہ اعلان بالفور کی مذمت کی۔

اکتوبر ۱۹۳۸ء میں سندھ مسلم لیگ کانفرنس کے موقعے پر قائد اعظم نے اپنے فلسطینی بھائیوں کو یقین دلایا کہ "عربوں کی امداد میں آل انڈیا مسلم لیگ اپنے اختیارات کے مطابق ہر ممکن امداد کرے گی"۔[۲] قائد اعظم نے بھی اقبال کی مانند فلسطین میں یہودیوں کے داخلے کی سخت مخالفت کی۔ ۱۹۳۸ء میں اجلاس پٹنہ کے موقعے پر آپ نے یہودیوں کے فلسطین میں داخلے کی زبردست مذمت کی۔ غرض کہ دونوں زعماء آخر وقت تک مسئلہ فلسطین میں دلچسپی لیتے رہے۔

۱۔ مرزا اختر حسین، "تاریخ مسلم لیگ"، مکتبۂ لیگ بمبئی۔ سن ندارد ۴۵۸۔۴۵۹۔

۲۔ ایضاً / ۴۹۴۔

اختلافات کا خاتمہ



مسجد شہید گنج

۱۹۳۵ء کے مسجد شہید گنج کے المناک واقعہ نے لاہور کی سیاسی فضا میں ایک زبردست ہیجان پیدا کر دیا اور لاہور میں فرقہ وار کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ مسجد شہید گنج مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان ایک متنازعہ فیہ مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ یہ مسجد ۱۶۵۲ء میں دارا شکوہ کے خانِ ساماں عبداللہ خاں نے تعمیر کروائی تھی۔ پنجاب کے گورنر معین الملک نے سکھوں کی ایک برگزیدہ ہستی تارو سنگھ کو یہاں قتل کروا دیا تھا چنانچہ سکھوں نے اپنے عہدِ حکومت میں اس جگہ کو "شہید گنج" کا نام دے کر ایک گردوارہ میں تبدیل کر دیا اور معین الملک کا مقبرہ مسمار کر کے اس کی لاش کو ضائع کر دیا۔[1]

جون ۱۹۳۵ء میں جب سکھوں کے جتھے لاہور آنے لگے تو یکایک یہ افواہ پھیل گئی کہ سکھ مسجد کو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر دونوں قوموں میں زبردست کشیدگی پیدا ہو گئی۔ ادھر جب سکھوں نے مسجد کو گرانا شروع کر دیا تو مسلمان بھی مسجد کا رخ کرنے لگے اور پولیس سے تصادم کے نتیجے میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے۔

ان نازک حالات میں جب کہ دونوں قوموں کے درمیان کشیدگی اور فرقہ وارانہ منافرت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، قائداعظم لاہور تشریف لائے اور سکھوں اور مسلمانوں میں پیدا شدہ کشیدگی کو ختم کرانے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ قائداعظم لاہور تشریف لائے گورنر پنجاب سے ملاقات کی اور آپ سے مسلمان گرفتار شدگان کی رہائی اور مسلم اخبارات کی ضمانتوں کے متعلق گفتگو کی جس میں آپ بالآخر کامیاب ہوئے۔ آپ نے سکھ لیڈروں سے ملاقاتیں کیں مختلف جلسوں سے خطاب کیا[2] دہلی واپس جانے سے قبل شہید گنج مصالحتی بورڈ کے نام سے

۱۔ نقوش، لاہور نمبر / ۵۶۳-۵۶۴۔

۲۔ تفصیل کے لیے دیکھو راقم کا مضمون قائداعظم اور مسجد شہید گنج، المعارف لاہور، فروری ۱۹۷۶ء۔

ایک کمیٹی قائم کی جس میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ قائداعظم کی ان کوششوں کو نہ صرف پنجاب بلکہ تمام ہندوستان میں خوب سراہا گیا۔ ہندوستان کے تمام اخبارات نے قائداعظم کو ان کی اس سعی پر مبارک باد دی۔ ان اخبارات میں روزنامہ "الجمعیۃ" (دہلی)، روزنامہ "عصرِ جدید" (کلکتہ)، روزنامہ "زمیندار" لاہور) اور "پیسہ اخبار" لاہور شامل تھے۔

ادھر شہید گنج سے متعلق مقدمہ عدالت میں بھی چل رہا تھا۔ ڈسٹرکٹ جج کی عدالت سے فیصلہ، مسلمانوں کے خلاف ہوا چنانچہ اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی۔ اس موقعے پر علامہ اقبال کی رائے یہ تھی کہ قائداعظم ہائی کورٹ میں مسلمانوں کی طرف سے اس مقدمے کی پیروی کریں۔ چنانچہ اس سلسلے میں علامہ اقبال نے قائداعظم کو غلام رسول سیکریٹری پنجاب مسلم لیگ سے ایک خط لکھوایا۔ اس خط میں علامہ نے قائداعظم سے درخواست کی کہ وہ خود لاہور تشریف لائیں تاکہ بقول اقبال "اس عمارت کی آخری اینٹ آپ کے مضبوط ہاتھوں سے رکھی جاتے۔" علامہ نے قائداعظم کو یقین دلایا کہ ان کے پنجاب آنے سے نہ صرف پنجاب بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمان ممنون ہوں گے۔ ساتھ ہی علامہ نے یہ بھی لکھوایا کہ "آپ کی تشریف آوری سے صوبے میں مسلم لیگ کی تحریک میں نئی جان پڑ جانے گی۔"[1]

ملک برکت علی اور عاشق حسین بٹالوی اس سلسلے میں قائداعظم سے ملنے کے لیے بمبئی گئے مگر قائداعظم نے انہیں مشورہ دیا کہ ان کی بجائے ایک انگریز بیرسٹر ڈولٹ مین کی خدمات حاصل کی جائیں، کیونکہ اس جھگڑے میں وہ ایک ثالث کی حیثیت سے لاہور گئے تھے اور اب ایک فریق کی حیثیت سے جانا مناسب نہیں۔

بہرحال اس واقعہ نے بھی دونوں رہنماؤں کو اور زیادہ قریب آنے میں مدد دی۔ بعد میں مسجد شہید گنج کے قضیہ نے ہندوستانی سیاست پر بھی اثرانداز ہونا شروع کر دیا۔ چنانچہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے اس مسئلے کی بڑھتی ہوئی اہمیت کے پیش نظر مسلم لیگ کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اس مسئلے پر غور و خوض کیا جائے۔ چنانچہ ۲ مارچ ۱۹۳۱ء کو قائداعظم نے علامہ اقبال کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔

۱۔ "اقبال کے آخری دو سال" ص ۶۰۴-۶۰۵۔

"بنگلہ روڈ نئی دہلی۔

ڈیئر سر محمد اقبال۔

اطلاعاً عرض ہے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس ماہ رواں کی ۲۰ تاریخ کو دہلی میں منعقد ہو رہا ہے۔ ان اہم امور میں سے جن میں اس اجلاس میں غور کیا جائے گا ایک یہ بھی ہے کہ مسلم لیگ کے خاص اجلاس کے لیے مناسب مقام کا فیصلہ کیا جائے۔ اس لیے مجھے یہ معلوم کرنے کی بے حد خواہش ہے کہ آیا آپ یہ اجلاس لاہور میں بلانا پسند کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ کا جواب اثبات میں ہے تو کیا پراونشل مسلم لیگ خاص اجلاس کے لیے ضروری انتظامات کر سکے گی۔ بصورت اثبات آپ مجھے ایک رسمی دعوت نامہ ارسال فرمائیں تاکہ میں اسے کونسل کے سامنے پیش کر سکوں۔" [1]

علامہ اقبال نے ۷ مارچ ۱۹۳۸ء کو اس خط کا جواب غلام رسول خاں سے لکھوا کر قائد اعظم کو ارسال کیا۔ علامہ نے اس خط میں لکھا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس ایسٹر کی تعطیلات میں لاہور ہی میں منعقد کیا جائے۔ اور اس خط کو رسمی دعوت نامہ تصور کیا جائے۔

قائد اعظم کو پنجاب کی سیاسی صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے علامہ اقبال نے لکھا کہ شہید گنج کا مسئلہ اب پریوی کونسل میں پیش کیا جائے گا لیکن لوگوں کو اس سے زیادہ دلچسپی نہیں رہی کیونکہ لوگوں کا خیال ہے کہ کسی بھی برطانوی عدالت کی طرف رجوع کرنا بے سود ہے۔ قائد اعظم کو اس امر سے بھی مطلع کیا گیا کہ پنجاب کے مسلمان بہت بے تابی سے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس خصوصی کے منتظر ہیں اور پنجاب مسلم لیگ اجلاس خصوصی کے لیے تمام ضروری انتظامات کرنے کی ذمہ داری لینے کو تیار ہیں۔ [2]

لیکن پنجاب مسلم لیگ کے صدر شاہنواز ممدوٹ نے جو دراصل سر سکندر حیات کے آدمی تھے۔ قائد اعظم کو ایک خط میں یہ لکھا کہ یہ بات مسلم لیگ اور شہید گنج تحریک کے مفاد میں ہو گی کہ مسلم لیگ کا اجلاس لاہور میں منعقد نہ ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا اور علامہ اقبال کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔

---

[1] اقبال کے آخری دو سال ص ۶۰۴، ۶۰۵۔

[2] ایضاً ص ۶۱۹، ۶۲۰۔

قائدِ اعظم، اقبال اور آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کا قیام

آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کے قیام سے قائدِ اعظم محمد علی جناح اور علامہ اقبال دونوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے اور ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں بہت مدد ملی۔ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت چونکہ مرکزی اسمبلی کے ارکان کا انتخاب صوبائی اسمبلیوں کے ارکان نے کرنا تھا اس لیے آل انڈیا مسلم لیگ کے زعماء نے یہ ضروری خیال کیا کہ مسلم لیگ کو ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مقبول بنایا جائے۔ اس موقع پر قائدِ اعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کو صحیح معنوں میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بنانے کے لیے اپنی بھرپور کوششوں کا آغاز کیا۔ جب صوبائی اور مرکزی قانون ساز اسمبلی کے لیے انتخابات کی تیاریاں شروع ہوئیں تو مسلم لیگ کو یہ سوال درپیش ہوا کہ لیگ کے تحت پارلیمانی بورڈ قائم کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ آنے والے انتخابات چونکہ مسلمانانِ ہند کے لیے بہت اہمیت کے حامل تھے اس لیے ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں راجہ غضنفر علی خاں نے ایک قرارداد پیش کی جس کے تحت قائدِ اعظم محمد علی جناح کو ایک مرکزی پارلیمانی بورڈ قائم کرنے کا اختیار دیا گیا۔ اس قرارداد میں کہا گیا کہ کم از کم ۳۵ ممبروں پر مشتمل ایک مرکزی پارلیمانی بورڈ قائم کیا جائے جو ہر صوبے کے مقامی حالات کے پیشِ نظر مختلف صوبوں میں صوبائی الیکشن بورڈ قائم کرے اور ان کا مرکزی بورڈ سے الحاق کرے۔[1] اس قرارداد کی مولانا احمد سعید دہلوی، سید حسین امام، سر سلیمان قاسم مٹھا، عبدالحمید خاں، لیاقت علی خاں اور مولانا محمد عرفان نے تائید کی۔ اس قرارداد کے تحت قائدِ اعظم نے ۲۶ تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۶ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے ارکان اور مختلف صوبوں کے مسلمان زعماء سے تفصیلی گفتگو کی اور ۲۱ مئی ۱۹۳۶ء کو ۵۴ ممبران پر مشتمل ایک مرکزی پارلیمانی بورڈ کے ارکان کے ناموں کا اعلان کیا۔[2]

Syed Sharif-ud-Din Peerzada: Foundation of Pakistan (Karachi, 1971) Vol.II, PP. 262-263)
Ahmad Saeed: Writings of the Quaid-e-Azam, (Lahore 1976, PP. 66-68)

صوبہ پنجاب انگریزوں کا ایک قلعہ تھا اور اس میں اس نے بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں کے ذریعے ایک مضبوط حصار قائم کر رکھا تھا تاکہ اس کو فوج مہیا ہوتی رہے۔ اسی لیے آل انڈیا مسلم لیگ کو پنجاب میں اپنے قیام، بقا و استحکام کے لیے سب سے زیادہ جد وجہد کرنی پڑی۔ پنجاب کے لیڈر سر فضل حسین سے لے کر سر خضر حیات ٹوانہ تک قائداعظم کو اپنا سب سے بڑا حریف سمجھتے تھے۔ اور کسی بھی صورت آپ کے پنجاب میں داخلہ کے مخالف تھے۔ پنجاب میں پارلیمانی بورڈ کے قیام کے سلسلے میں قائداعظم لاہور تشریف لائے اور یونینسٹ پارٹی کے بانی سر فضل حسین سے اس بارے میں گفتگو کی۔ لیکن سر فضل حسین نے قائداعظم اور آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا اور یہ دلیل دی کہ مجوزہ پارلیمانی بورڈ کے قیام سے پنجاب میں مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اشتراک کے راستے میں رکاوٹیں پیدا ہوں گی اس بنا پر انہوں نے انہوں نے مسلم لیگ کے نام پر الیکشن لڑنے سے انکار کر دیا۔ قائداعظم علامہ اقبال سے ملے جنہوں نے آپ کو اپنے مکمل اور بھرپور تعاون کا یقین دلایا۔ اس سلسلے میں ۸ مئی ۱۹۳۶ء کو قائداعظم کی کوششوں کو سراہتے ہوئے علامہ اقبال نے ایک اخباری بیان میں اس امر کا اعلان کیا کہ "بطلِ جلیل مسٹر محمد علی جناح ان قابلِ فخر مسلم رہنماؤں میں سے ہیں جن کی سیاسی دانش ہمیشہ مسلمانوں کے لیے صبر آزما وقتوں میں مشعلِ راہ کا کام دیتی رہی ہے۔ جس خلوص اور عزیمت سے انہوں نے مسلمانانِ ہند کی تمام اہم اور نازک موقعوں پر خدمت کی ہے اس کے لیے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں کے سر عقیدت و احترام سے جھکے رہیں گے۔ ان کی تازہ ترین خدمت شہید گنج کے سانحہ المناک سے متعلق ہے۔ جس وقت کہ تمام صوبہ شہید گنج کے واقعہ خونچکاں کی وجہ سے خوف و ہراس سے سراسیمہ تھا اور مسلمانوں کے جلیل القدر رہنما اور سر فروش رضا کار قید میں ٹھونس دیے گئے اور تقریباً تمام اسلامی پریس ضمانتوں اور ضبطیوں کے بارگراں سے عضوِ معطل بنا ہوا تھا اور پنجاب کے نام نہاد رہنما (یونینسٹ) منہ میں گھنگھنیاں ڈال کر اپنے فلک بوس محلوں میں محوِ عشرت تھے اس وقت مسٹر جناح ہی تھے جو بمبئی سے ہزاروں میل کا سفر طے کر کے پنجاب کے مسلمانوں کے زخمی دلوں پر مرہم لگانے کے لیے فرشتہ رحمت بن کر نمودار ہوئے[1]۔ علامہ نے قائداعظم کو یقین دلایا کہ "جس اہم کام کی ابتداء مسٹر جناح نے کی ہے ہم اس کو

[1] ۔ گفتارِ اقبال ، ۲۰۳-۲۰۴۔

پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں دل وجان سے ان کے حامی ہیں۔[۱]

چنانچہ جب قائداعظم محمد علی جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ مرکزی پارلیمانی بورڈ کے اراکین کے ناموں کا اعلان کیا تو پنجاب سے علامہ اقبال کا نام سرِفہرست تھا۔ اب علامہ اقبال کی زیرِ قیادت، پنجاب میں آل انڈیا مسلم لیگ کے احیاء کا کام ازسرِنو شروع ہوا۔ علامہ اقبال کو پنجاب میں جو ایک خاص مقام حاصل تھا اس کا اندازہ یونینسٹ پارٹی ترجمان روزنامہ "انقلاب" کے ان اداریوں سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو اس نے پارلیمانی بورڈ، علامہ اقبال اور قائداعظم کے خلاف لکھے۔ قائداعظم کے اس فیصلے سے یونینسٹ پارٹی میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ روزنامہ "انقلاب" نے مرکزی پارلیمانی بورڈ، قائداعظم اور علامہ اقبال پر کڑی نکتہ چینی کی کیونکہ اخبار یونینسٹ پارٹی کا ترجمان ہونے کی حیثیت میں قائداعظم کے "پنجاب میں" "داخلے" کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا تھا۔ روزنامہ "انقلاب" نے اپنے بہت سے اداریوں میں قائداعظم پر سخت کیچڑ اچھالا۔ پارلیمانی بورڈ کے قیام کو "صرف" مسلمانوں میں افتراق انگیزی" کا نام دیا بلکہ پارلیمانی بورڈ کے حامیوں کو "بزدل، منافق، بددیانت اور نااہل قرار دیا۔[۲]

۱۵ مئی ۱۹۳۶ء کو روزنامہ "انقلاب" نے یونینسٹ پارٹی کی وکالت کرتے ہوئے علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل بیان کو موضوعِ سخن بنایا جس میں علامہ نے فرمایا تھا کہ "مسٹر جناح کی بےنفسی اور دوراندیشی کی داد دینی چاہیے کہ انہوں نے ایسے موقعے پر مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے جب گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کے تحت نئے انتخابات کا وقت قریب آرہا ہے۔ مسٹر جناح کے اس اقدام سے ان غرض پسند اور رجعت پسند حلقوں میں کھلبلی مچ گئی ہے جو اب تک مسلمانانِ ہند کی قیادت کا غلط دعویٰ کر کے اپنی مطلب براری کرتے رہے ہیں۔ اندریں حالات ہمیں یہ دیکھ کر قطعاً تعجب نہیں ہوا کہ بعض اخباروں نے مسٹر جناح کی ناکامی کی فرضی اور بےبنیاد داستانیں وضع کر کے شائع کرنا شروع کر دی ہیں۔ ان اخباروں کا یہ بیان کہ پنجاب میں سوائے احرار کے کسی اور جماعت نے مسٹر جناح کا ساتھ دینا گوارہ نہیں کیا ایک صریح جھوٹ ہے۔

---

[۱] اقبال کے آخری دو سال، ص ۳۱۸

[۲] راقم کا مضمون آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ اور قائداعظم روزنامہ انقلاب کی نظر میں، مجلہ تاریخ تعلیم قائداعظم نمبر، دسمبر ۱۹۷۶، ص ۷۰ تا ۹۰۔

ہمیں یہ کہنے میں قطعاً باک نہیں کہ مذکورہ بالا اخباروں کے اس قسم کے بیان صرف غلط ہی نہیں بلکہ گمراہ کن ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری قوم کو مسٹر جناح کی دیانت و امانت اور سیاسی بصیرت پر ایسا پختہ اعتماد ہے کہ مسلمانان پنجاب کے تمام طبقوں نے مسٹر جناح کی تجویز کو لبیک کہنے سے دریغ نہیں کیا۔[1]

روزنامہ "انقلاب" نے علامہ کے مندرجہ بالا بیان پر تنقید کرتے ہوئے لکھا: "۱۹۲۷ء میں یہ اعتماد کہاں تھا۔ مسٹر جناح کا سیاسی تدبر اور دیانت اس وقت کہاں محوِ خواب تھے جب کہ حضرت علامہ اقبال اور ان کے رفقا نے مسٹر جناح کے مقابلے میں نئی لیگ کھڑی کر لی تھی۔ اس وقت بھی تو یہی مسٹر جناح تھے۔" چونکہ مرکزی پارلیمانی بورڈ میں مجلس احرار بھی شامل تھی اس لیے "انقلاب" نے احرار پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا: "احرار جو نہرو رپورٹ کے وقت سے مسلمانوں سے الگ تھے اور حضرت علامہ اقبال نہیں کہہ سکتے کہ احرار مسلمانوں کی رائے کے صحیح ترجمان تھے۔ اگر احرار صحیح ترجمان تھے تو حضرت علامہ اقبال کو اعتراف کرنا پڑے گا کہ وہ خود مسلمانوں کی رائے کے صحیح ترجمان نہ تھے۔"[2] ۱۷ مئی ۱۹۳۶ء کو ایک اور اداریہ میں روزنامہ "انقلاب" نے علامہ اقبال کے بیان پر کڑی نکتہ چینی کی اور قائداعظم اور علامہ اقبال کے پرانے سیاسی رجحانات اور نہرو رپورٹ کے بارے میں دونوں زعماء کے متضاد خیالات کو موضوعِ سخن بنایا۔

پارلیمانی بورڈ کے قیام سے پنجاب میں مسلم لیگ کے احیاء کا کام شروع ہوا اور آل انڈیا مسلم لیگ دس گیارہ سال کی مسلسل کوشش کے بعد یونینسٹ پارٹی کو شکست دینے میں کامیاب ہوئی۔ پارلیمانی بورڈ کے قیام سے قائداعظم اور اقبال ایک دوسرے کے بے حد قریب ہوتے اور پنجاب میں مسلم لیگ کو جس قدر کامیابی حاصل ہوئی اس کا سہرا علامہ اقبال کے سر ہے۔ جیسا کہ خود قائداعظم نے اعتراف کیا کہ "مسلم لیگ کی ایک بڑی کامیابی یہ تھی کہ اکثریتی صوبوں میں اس کی رہنمائی تسلیم کر لی گئی۔ سر محمد اقبال نے اس منزلِ مقصود تک ہمیں پہنچانے میں بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا۔"

پارلیمانی بورڈ کے قیام کے بعد دونوں زعماء کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔

۱۔ "علامہ اقبال کے آخری دو سال"، ص ۳۱۷۔۳۱۸۔

۲۔ روزنامہ "انقلاب" لاہور، اداریہ، ۱۵ مئی ۱۹۳۶ء، ص ۳۔

جناح اقبال خط وکتابت پر ایک نظر

خط نمبر ۱ : علامہ اقبال اور قائد اعظم کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی اور جو زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہ گئی اس میں علامہ نے پہلا خط ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء کو لکھا۔ اس خط میں علامہ نے اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کا کام آگے بڑھ رہا ہے۔ خط میں امید ظاہر کی گئی کہ مجلس احرار اور مولانا ظفر علی خاں کی اتحاد ملت پارٹی بھی پارلیمانی بورڈ میں شامل ہو جائیں گی۔

خط نمبر ۲ : علامہ نے دوسرا خط ۹ جون ۱۹۳۶ء کو تحریر کیا جس میں قائد اعظم کو ایک مسودہ اور اخبار "ایسٹرن ٹائمز" میں شائع شدہ گورداسپور کے ایک "قابل وکیل" کے لکھے ہوئے خط کا تراشا بھیجا۔ علامہ نے پارلیمانی بورڈ کے سلسلے میں قائد اعظم کو مشورہ دیا کہ اب تک اس سکیم پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہیں ان کا شافی جواب دیا جائے۔ علامہ نے آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کے قیام کی زبردست حمایت کرتے ہوئے قائد اعظم کو لکھا کہ وہ اپنے بیان میں اس بیان کی وضاحت کر دیں کہ "اگر مسلمانوں نے اس سکیم کو منظور نہ کیا تو مسلمان نہ صرف وہ تمام کچھ کھو دیں گے جو پندرہ سالوں میں حاصل کر چکے ہیں بلکہ اپنا شیرازہ خود اپنے ہاتھوں سے درہم برہم کر دیں گے۔"

خط نمبر ۳ : ۲۵ جون ۱۹۳۶ء کے خط میں بھی پارلیمانی بورڈ کا تذکرہ ہے۔ اس خط میں علامہ نے نواب احمد یار خاں دولتانہ سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا اور قائد اعظم کو مطلع کیا کہ بقول دولتانہ یونینسٹ پارٹی کے مسلمان ارکان یہ اعلان کرنے کے لیے تیار ہیں کہ مسلمان چونکہ اقلیت میں ہیں اس لیے جو مسائل ان کے مفاد کے متعلق ہوں گے ان کے لیے وہ لیگ کے فیصلے کے کلیۃً پابند ہوں گے اور صوبائی اسمبلی میں غیر مسلم گروپ کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کریں گے بشرطیکہ صوبائی لیگ بھی یہ اعلان کرے کہ وہ مسلم ارکان جو لیگ پارٹی کے ٹکٹ پر منتخب ہو کر آئیں گے وہ اس پارٹی یا گروپ کے ساتھ تعاون کریں گے جس میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہو گی۔" علامہ نے قائد اعظم سے دولتانہ کی اس تجویز کے بارے میں رائے دریافت کی اور ساتھ ہی یہ بھی گزارش کی کہ سر سکندر (جو کہ قائد اعظم سے ملاقات کے لیے بمبئی گئے ہوئے تھے) اور ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس سے انہیں بھی مطلع کیا جائے۔

خط نمبر ۴: ۲۳ اگست ۱۹۳۶ء کو علامہ نے جو خط لکھا اس میں ان افواہوں کا ذکر کیا گیا جو پنجاب پارلیمانی بورڈ اور یونینسٹ پارٹی کے درمیان کسی سمجھوتے کے متعلق اڑائی جا رہی تھیں علامہ نے قائداعظم سے مجوزہ مفاہمت کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ ساتھ ہی یہ بھی دریافت کیا کہ اگر دونوں جماعتوں کے درمیان مفاہمت کی کوئی صورت نکلے تو اس کے لیے کیا شرائط ہونی چاہییں اخبارات میں بنگال کی پرجا پارٹی اور مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کے درمیان مفاہمت کی جو خبریں شائع ہوئیں علامہ نے قائداعظم سے اس مفاہمت کی شرائط و ضوابط سے آگاہی چاہی تاکہ پنجاب میں بھی یونینسٹ پارٹی اور پارلیمانی بورڈ کے درمیان مفاہمت میں مدد ملے۔

خط نمبر ۵: علامہ کے اس خط اور گزشتہ خط کے درمیان سات ماہ کا عرصہ حائل ہے۔ یہ خط ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کو لکھا گیا۔ اس خط میں پنڈت جواہر لال نہرو کے اس خطبے کا ذکر ہے جو انہوں نے آل انڈیا نیشنل کنونشن میں دیا۔ یہ کنونشن ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء کو دہلی میں منعقد ہوا جہاں کانگرس کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے صوبائی اسمبلیوں کے ۸۰۰ ممبران جمع تھے۔ پنڈت نہرو نے اپنے خطبہ میں یہ کہا تھا کہ ہندوستان کا اصل مسئلہ اقتصادی ہے اور "نام نہاد فرقہ وارانہ مسئلے" کے حل کا طریقہ بھی یہی ہے کہ ہندوستان کے معاشی مسائل کو حل کیا جائے۔ پنڈت جی نے اس خطبے میں بار بار مسلمانوں کی علٰحدہ تنظیم کو "فرقہ پرستی کی لعنت" قرار دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ "آج تمام مسلمان کیا بوڑھے کیا جوان اس جذبے سے سرشار نظر آتے ہیں کہ فرقہ پرستی کی لعنت سے دامن چھڑا کر اپنے آپ کو حریت و ترقی کی تحریکوں سے وابستہ کریں۔" علامہ نے اپنے خط میں قائداعظم کو لکھا کہ "اس خطبے میں جو روح کارفرما نظر آتی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی۔" علامہ کے نزدیک ہندوستان میں اقتصادی مسائل کے علاوہ اور بھی "مسائل" موجود تھے اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق تھا ان کے لیے تہذیبی ورثے کا مسئلہ اقتصادی مسائل سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ علامہ نے قائداعظم سے دہلی میں آل انڈیا نیشنل کنونشن کے مقابلے پر ایک آل انڈیا مسلم کنونشن کرنے کی درخواست کی تاکہ دنیا کو پوری طاقت اور واشگاف انداز میں بتایا جائے کہ مسلمانانِ ہند کا اپنا ایک علٰحدہ سیاسی وجود ہے۔ علامہ نے اس خط میں یونینسٹ پارٹی پر چوٹ کرتے ہوئے لکھا کہ اس مجوزہ کنونشن سے "ایسے مسلم اراکین اسمبلی کی نیت کا پتہ بھی چل جائے گا جنہوں نے مسلمانانِ ہند کی امنگوں اور مقاصد کے خلاف پارٹیاں بنا رکھی ہیں۔" علامہ کے نزدیک اس مجوزہ مسلم کنونشن کی کیا اہمیت تھی اس کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ خط کے آخر میں آپ

نے دوبارہ اس کنونشن کے انعقاد پر زور دیا تاکہ ہندوؤں کو بھی اس کنونشن کے انعقاد سے معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کے نزدیک معاشی مسائل سے زیادہ ثقافتی مسائل اہم ہیں۔

خط نمبر ۶ : ۲۲ اپریل ۱۹۳۷ء کے خط میں علامہ اقبال نے ایک بار پھر آل انڈیا مسلم کنونشن کے انعقاد پر زور دیا۔ علامہ کے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کو جو اصل مسائل (ثقافتی اور تہذیبی) درپیش تھے ان خطوط سے ان کی اہمیت واضح ہوتی ہے کیونکہ آپ بار بار قائداعظم پر زور دے رہے تھے کہ مسلم کنونشن بلایا جائے۔ اس خط میں بھی علامہ نے قائداعظم کو لکھا کہ چونکہ پنجاب میں مسلمان تیزی سے کانگرس میں شامل ہوتے جا رہے ہیں اس لیے ہندوستان میں ایک مسلم کنونشن کے انعقاد کے معاملے پر جلد از جلد غور فرما کر کوئی فیصلہ کریں۔

خط نمبر ۷ : ان تمام خطوط میں علامہ اقبال کا سب سے اہم خط وہ ہے جو آپ نے ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء کو قائداعظم کو لکھا۔ علامہ نے اس خط میں مسلم لیگ کو ایک عوامی جماعت بنانے پر زور دیا اور قائداعظم کو بتلایا کہ جب تک کوئی جماعت جمہور کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش نہ کرے وہ عوام میں مقبول نہیں ہو سکتی۔ اس خط کا دوسرا اہم نکتہ مسلمانوں کے لیے ایک علیٰحدہ مملکت کا قیام ہے۔ علامہ نے ایک الگ ریاست کے قیام کی ضرورت بیان کرتے ہوئے قائداعظم کو لکھا کہ "ہندوستان میں روٹی کا مسئلہ ٹیڑھا ہوتا جا رہا ہے اور مسلمان دن بدن افلاس کا شکار ہو رہے ہیں اور ہندو سرمایہ دار اور سود خور مسلمان کی اس غربت و افلاس کے ذمہ دار ہیں۔" علامہ نے اقتصادی مسائل کو حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ جب تک لیگ اقتصادی مسائل کو حل نہیں کرے گی اس وقت تک وہ عوام میں مقبول نہ ہو سکے گی۔ علامہ کے نزدیک اس اقتصادی مسئلے کا حل اسلامی شریعت کے نفاذ میں مضمر تھا اور ظاہر بات تھی کہ جب تک مسلمانوں کے پاس ان کی ایک اپنی الگ ریاست نہ ہو گی اس وقت تک شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔ علامہ نے لکھا "شریعتِ اسلام کا گہرا اور بہت وقت نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس قانون الٰہی کے مضمرات کو اچھی طرح سمجھ کر اس پر صحیح عمل کیا جائے تو پھر ہر شخص کے لیے حق روزی محفوظ ہو جاتا ہے۔ مگر جب تک ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستیں یہاں وجود میں نہ آئیں شریعت اسلامی کا نفاذ ناممکن ہے۔" علامہ کے نزدیک ہندوستان کے مسلمانوں کا اقتصادی اور امن و امان کا مسئلہ صرف اسی صورت میں حل ہو سکتا تھا کہ ہندوستان میں ایک مسلم ریاست یا ریاستیں قائم کی جائیں

وگرنہ ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات اور خانہ جنگی ناگزیر ہو گی۔ علامہ کی رائے میں اگر سوشل ڈیماکریسی Social Democracy کو مناسب تبدیلیوں اور اسلام کے اصول شریعت کے ساتھ اپنا لیا جائے تو وہ کوئی نئی بات نہیں ہو گی بلکہ اسلام کی اصل پاکیزگی کی طرف لوٹنا ہو گا۔ علامہ نے خط کے آخر میں ہندوستان کے مسائل کے حل کی خاطر ایک یا زیادہ مسلم ریاستوں کے قیام کو ناگزیر بتایا۔ اور ساتھ ہی مسلم ریاست کے قیام کو پنڈت نہرو کی "لادین اشتراکیت" کا توڑ قرار دیا۔

خط نمبر ۸ : ۲۱ جون ۱۹۳۷ء کو اپنے خط میں علامہ نے قائد اعظم کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ "اس وقت جو طوفان بڑھتا آ رہا ہے اس بھنور سے اگر کوئی شخص مسلمانوں کی کشتی کو حفاظت سے نکال سکتا ہے تو وہ آپ کی ذات ہے"۔ اس خط میں علامہ نے ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو ہدف تنقید بنایا اور لکھا کہ یہ آئین محض ہندوؤں کو خوش کرنے اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس خط میں بھی علامہ نے ہندوستان کی تقسیم پر زور دیا اور ساتھ ہی تقسیم کی بنیادوں کی نشان دہی کی کہ یہ تقسیم نسلی، مذہبی اور لسانی اشتراک کی بنیادوں پر ہو۔ علامہ نے اکتوبر میں مسلم لیگ کا اجلاس پنجاب میں منعقد کرنے کی تجویز بھی پیش کی۔

خط نمبر ۹ اب علامہ اقبال پنجاب میں مسلم لیگ کے اجلاس کے انعقاد کو خاص اہمیت دے رہے تھے چنانچہ ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء کے خط میں قائد اعظم سے دوبارہ گزارش کی کہ لیگ کا اجلاس اکتوبر میں لاہور میں طلب کیا جائے تاکہ عوام سے رابطہ قائم کرنے کا موقع مل سکے۔ ادھر پنجاب میں مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے درمیان اختلافات گہرے ہوتے جا رہے تھے اور سر سکندر اور ان کے ٹولے کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح مسلم لیگ پر قبضہ جما لیا جائے تاکہ اس کی حکومت کے لیے جو خطرہ پیدا ہو رہا تھا یا آگے چل کر پیدا ہو سکتا تھا اس کا سد باب ہو سکے۔

خط نمبر ۱۰ علامہ نے ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء کے خط میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے قائد اعظم کو لکھا کہ انہوں نے لیگ کونسل کی خالی نشستوں کے لیے ۲۸ آدمیوں کی فہرست تیار کی ہے اور امید ظاہر کی کہ انتخاب بہت سوچ بچار کے بعد ہی کیا جائے گا۔ اس خط میں علامہ نے فلسطین کا بھی ذکر کیا اور قائد اعظم کو اس مسئلے کی اہمیت سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ اگر لیگ مسئلہ فلسطین کے متعلق کوئی قدم اٹھائے تو اس سے عوام کو لیگ کے نزدیک آنے میں بہت مدد ملے گی اور لیگ

کو عوام میں بہت مقبولیت حاصل ہو جائے گی۔ فرقہ وار اعلان Communal Award کے متعلق پنجاب اور سندھ کے بعض گمراہ مسلمان اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ہندوؤں کو خوش کرنے کی خاطر اس میں ترامیم کرائیں۔ علامہ نے قائدِ اعظم پر زور دیا کہ وہ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے فرقہ وار اعلان کے متعلق اپنی پالیسی کی مکرر وضاحت کریں۔ علامہ نے ان لوگوں کو جو اس کوشش میں لگے ہوئے تھے "انگریزوں کا ایجنٹ" قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ اشارہ یونینسٹ پارٹی کے سوا اور کس طرف ہو سکتا تھا۔ اس خط کے آخر میں علامہ نے دوبارہ تحریر فرمایا کہ "لیگ کو یہ اعلان کرنا چاہیے کہ صوبائی سطح پر فرقہ وار اعلان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور چونکہ یہ مسئلہ کل ہند مسئلہ ہے اس لیے اس کا فیصلہ صرف آل انڈیا مسلم لیگ ہی کر سکتی ہے۔"

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ قائدِ اعظم نے علامہ کے پیش کردہ نکات کو اپنے مدِ نظر رکھا اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۷ء کو مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ان پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ قائدِ اعظم نے اپنی تقریر میں مسئلہ فلسطین پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے برطانیہ کو "دغاباز" قرار دیا جس نے عربوں کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو پورا نہیں کیا۔ قائدِ اعظم نے متنبہ کیا کہ اگر رائل کمیشن کی سفارشات پر عمل کیا گیا اور برطانیہ نے عربوں کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو پورا نہ کیا تو تمام دنیا کے مسلمان برطانیہ کو آگاہ کرتے ہیں کہ "وہ اپنی قبر خود کھودنے کا مرتکب ہوگا۔" اجلاس میں فلسطین کے متعلق ایک قرار داد بھی پاس کی گئی جس میں اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے درخواست کی گئی کہ وہ بیت المقدس کے مقدس مقامات کو غیر مسلم اقتدار کی ذلت و توہین اور برطانوی شہنشاہیت کی غلامی سے بچانے کے لیے اپنی کوشش اور جدوجہد جاری رکھیں۔ لیگ نے برطانوی حکومت کو متنبہ کیا کہ اگر اس نے یہودیوں کی حمایت جاری رکھی تو مسلمانانِ ہند برطانیہ کو اسلام کا دشمن تصور کریں گے اور مجبوراً اس کے ردِ عمل کے طور پر اپنے مذہب کی ہدایات کے مطابق اُن کو کوئی اور حکمتِ عملی اختیار کرنی پڑے گی۔[1]

خط نمبر ۱۱ ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ء کے خط میں علامہ نے قائدِ اعظم کے اس اقدام پر اطمینان کا اظہار کیا جو انہوں نے آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی قرار داد کے ضمن میں اٹھایا۔ اس خط میں علامہ نے

---

[1] مرزا اختر حسین، "تاریخ مسلم لیگ"، مکتبہ لیگ بمبئی سن ندارد / ۲۶۳۔

پانچ صوبوں میں مسلم حکومتوں کے قیام اور بلوچستان میں اصلاحات کے نفاذ پر زور دیا۔ اس خط میں یونینیٹ پارٹی کے رویے پر روشنی ڈالتے ہوئے علامہ نے قائداعظم کو مطلع کیا کہ "افواہ ہے کہ یونینیٹ پارٹی کا کچھ حصہ لیگ کے سیاسی عقیدے پر دستخط کرنے کے لیے تیار نہیں"۔ علامہ نے یونینیٹ پارٹی کے کسی آدمی کا نام لیے بغیر یہ لکھا کہ سر سکندر صوبائی لیگ کی سرگرمیوں کو معطل کرنا چاہتے ہیں۔

خط نمبر ۱۲ یکم نومبر ۱۹۳۷ء کے خط میں علامہ نے سر سکندر اور اُن کے ساتھیوں سے اپنی ملاقات سے قائداعظم کو مطلع کیا۔ اس ملاقات میں یونینیٹ پارٹی اور مسلم لیگ کے درمیان اختلافات زیر بحث آئے۔ جناح سکندر پیکٹ کے متعلق خاص طور پر بحث ہوئی۔ چونکہ دونوں فریق اس معاہدے کی مختلف توجیہیں کر رہے تھے اس لیے علامہ اقبال نے قائداعظم سے درخواست کی کہ وہ انہیں جناح سکندر پیکٹ کی ایک کاپی بھیج دیں جس پر سر سکندر نے دستخط کیے تھے۔ علامہ نے قائداعظم سے یہ بھی دریافت کیا، کہ آیا انہوں نے (قائداعظم) اس بات پر رضامندی کا اظہار کیا کہ صوبائی پارلیمانی بورڈ پر یونینیٹ پارٹی کا کنٹرول رہے۔ سر سکندر کا کہنا تھا کہ قائداعظم اس سے متفق تھے اس لیے یونینیٹ پارٹی کو پارلیمانی بورڈ میں اکثریت دی جائے۔ علامہ نے قائداعظم کو اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ "جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے جناح سکندر پیکٹ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے"۔ علامہ نے قائداعظم کو پنجاب میں مسلم لیگ کی سرگرمیوں سے بھی آگاہ کیا اور انہیں بتلایا کہ ہمارے آدمی پنجاب کے مختلف علاقوں میں مسلم لیگ کی برانچیں قائم کر رہے ہیں اور رات کو بھی لاہور میں ایک بہت کامیاب جلسہ منعقد ہوا۔

خط نمبر ۱۳ آخری خط ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء کا تحریر کردہ ہے۔ اس خط میں علامہ نے سر سکندر سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ علامہ کی رائے میں یونینیٹ پارٹی پارلیمانی بورڈ پر قبضہ کر کے مسلم لیگ کو ختم کرنے کی خواہش مند نظر آتی ہے۔ علامہ نے قائداعظم کو کہا کہ مجھے اس بات میں کوئی نقصان نظر نہیں آتا کہ یونینیٹ پارٹی کو پارلیمانی بورڈ میں اکثریت دے دی جائے لیکن یونینیٹ پارٹی کی خواہش یہ ہے کہ لیگ کے موجودہ عہدہ داروں میں بھی تبدیلی کر دی جائے اور خاص طور پر وہ لیگ کے سیکریٹری غلام رسول کے درپے ہیں جنھوں نے لیگ کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔ اسی طرح سر سکندر کی یہ بھی خواہش تھی کہ لیگ کے مالی انتظامات میں بھی ان کا عمل دخل ہو۔ یہ دونوں باتیں علامہ کی رائے میں

مسلم لیگ پر قبضہ جما کر اسے ختم کرنے کے لیے پیش کی جا رہی تھیں۔ علامہ نے قائدِ اعظم کو لکھا کہ اس سمجھوتے سے پنجاب میں مسلم لیگ کے وقار کو کافی نقصان پہنچا ہے اور یونینسٹ حضرات کی عیاریاں اسے اور بھی نقصان پہنچائیں گی۔ علامہ نے قائدِ اعظم سے مشورہ طلب کیا کہ ان حالات میں کیا کیا جائے۔

قائدِ اعظم علامہ اقبال کی نظر میں

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کے قیام کے بعد قائدِ اعظم اور علامہ اقبال ایک دوسرے کے بے حد قریب آ گئے۔ علامہ نے اپنی زندگی کے آخری دو سالوں میں پنجاب میں مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لیے جس سرگرمی کے ساتھ کام کیا خود قائدِ اعظم نے اس کا اعتراف کیا۔ اب دونوں رہنما ایک دوسرے پر بے حد اعتماد کرنے لگے تھے۔ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں قائدِ اعظم محمد علی جناح نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو ایک بیان دیا جس میں آپ نے فرمایا "آج کل مسلمانوں کا سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ اپنی تنظیم کریں اور ہندوستان کی واحد اسلامی سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے جھنڈے تلے ایک محاذ پر جمع ہو جائیں۔ ہماری امیدیں نوجوانوں سے وابستہ ہیں جنھیں عنقریب مستقبل کا بوجھ اور ذمہ داری اٹھانی پڑے گی۔ میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ خیال آرائیوں سے گمراہ ہونے کی بجائے حقائق کی روشنی میں عملی کام کر کے دکھائیں۔ میں آپ کی کامیابی کے لیے دست بدعا ہوں۔"[۱]

علامہ اقبال نے اپنے پیام میں قائدِ اعظم کے بیان کی تائید فرماتے ہوئے کہا کہ "مسٹر جناح کے ایک ایک لفظ کی تائید کرتا ہوں۔ مسلمان نوجوانوں کو اس سے بہتر مشورہ نہیں دیا جا سکتا۔"[۲]

۱۹۳۷ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے یہ بیان داغا کہ ہندوستان میں صرف دو سیاسی جماعتیں ہیں ایک کانگرس اور دوسری حکومت۔ اس پر قائدِ اعظم نے پنڈت نہرو کو للکارا اور کہا کہ نہیں ایک تیسری پارٹی بھی موجود ہے اور وہ مسلمان ہیں۔ ساتھ ہی قائدِ اعظم نے کانگرس کی اس پالیسی پر بھی اظہارِ افسوس کیا۔

۱۔ روزنامہ 'انقلاب'، لاہور ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء۔

۲۔ 'گفتارِ اقبال' / ۲۱۰

جو وہ مسلم لیگی امیدواروں کے مقابلے میں اپنے امیدوار کھڑے کرکے اختیار کر رہی تھی۔ قائدِ اعظم کے اس بیان پر پنڈت جی نے سخت نکتہ چینی کی اور کہا کہ ہندوستان میں صرف ایک قوم آباد ہے جس کی نمائندگی کانگریس کرتی ہے۔ اس موقع پر علامہ اقبال نے جو بیان دیا اس سے قائدِ اعظم کے متعلق علامہ کے دلی جذبات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ علامہ نے اپنے بیان میں فرمایا "میرے دل میں پنڈت نہرو کی بہت عزت ہے انہوں نے آزادیٔ وطن کی خاطر جو مصائب برداشت کیے ہیں اور قربانیاں گوارا کی ہیں میں ان کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انہوں نے بلاوجہ مسٹر جناح کے ساتھ الجھنے کی کوشش کی ہے۔ مسٹر جناح آج مسلمانوں کے سب سے بڑے اور سب سے معتمد علیہ لیڈر ہیں۔ انہوں نے اپنے ملک کی جو خدمت کی ہے وہ کسی اور لیڈر سے کم نہیں۔ لیکن مسٹر جناح تخیّل کی دنیا میں پرواز کرنے کی بجائے حقیقت بینی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی لیے ان کی قوم پرستی اور حب الوطنی حقائق و واقعات کے صحیح تجزیئے پر مبنی ہے۔ مجھے امید ہے کہ پنڈت نہرو کو جلد اس بات کا احساس ہو جائے گا کہ مسٹر جناح مسلمانوں میں کتنی بلند حیثیت اور ارفع مقام کے مالک ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے اگر کسی شخص کو بات کرنے کا حق ہے تو وہ صرف مسٹر جناح ہیں۔"[1]

اب ملت کے دونوں زعماء ایک دوسرے کے بے حد قریب آ گئے تھے اور ایک دوسرے پر حد درجہ اعتماد کرتے تھے۔ اب علامہ اقبال قائدِ اعظم کے سوا کسی کو اپنا لیڈر ماننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے پنڈت نہرو اور میاں افتخار الدین کی علامہ اقبال کے ساتھ ایک ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ اس ملاقات میں میاں افتخار الدین نے کہا کہ "ڈاکٹر صاحب آپ مسلمانوں کے لیڈر کیوں نہیں بن جاتے۔ مسلمان مسٹر جناح سے زیادہ آپ کی عزت کرتے ہیں۔ اگر آپ مسلمانوں کی طرف سے کانگریس کے ساتھ بات چیت کریں تو نتیجہ بہتر نکلے گا۔" علامہ اقبال لیٹے ہوئے تھے یہ بات سنتے ہی غصے میں آ گئے اور انگریزی میں فرمانے لگے "اچھا تو چال یہ ہے کہ آپ مجھے بہلا پھسلا کر مسٹر جناح کے مقابلے پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ مسٹر جناح ہی مسلمانوں کے اصل لیڈر ہیں۔ میں تو ان کا ایک معمولی سپاہی ہوں۔"[2]

---

[1] "اقبال کے آخری دو سال"، ص ۳۸۴ تا ۳۸۶۔ [2] ایضاً، ص ۵۰۴

سید نذیر نیازی نے بھی اس ملاقات کا ذکر اپنی کتاب "اقبال کے حضور" میں کیا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ "میاں افتخار الدین نے کہا کہ مسلمان بھی آزادیِ وطن کے لیے ہی خواہش مند ہیں جیسے ہندو۔ وہ بھی شہنشاہیت کے ایسے ہی دشمن ہیں جیسے کوئی اور۔ آپ حق بات کیوں نہیں کہتے کہ مسلمانوں پر آپ ہی کا اثر ہے جناح کی کون سنتا ہے"۔ اس پر علامہ نے فرمایا "مجھے یہ کہنے میں کیا عذر ہے کہ مسلمان آزادی کے طالب، استعمار اور شہنشاہیت کے دشمن ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ جناح تو حق بات سن لیتے ہیں، نہیں سنتی تو کانگرس"۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی جو کوشش کر رہے تھے، ان کے متعلق علامہ نے فرمایا "اس امر سے تو شاید آپ کو"، میاں افتخار الدین "بھی انکار نہیں ہوگا کہ مسلمانوں کا اتحاد ایک امر ضروری ہے تو جناح کی قیادت سے جو تھوڑا بہت اتحاد پیدا ہوا ہے تو کیا اسے اس لیے ختم کر دیا جائے کہ ہندو نہیں چاہتے کہ مسلمان بحیثیت ایک قوم متحد ہو جائیں"۔[1]

اسی ملاقات میں ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ علامہ اقبال نے پنڈت نہرو کو مخاطب کرکے کہا کہ "جناح اور آپ میں قدر مشترک کیا ہے وہ ایک سیاست دان ہیں اور آپ ایک محبِ وطن"۔[2] اس ملاقات کا لاہور میں خوب چرچا ہوا اور علامہ کے دوستوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ کہیں مخالفین اس جملہ سے کہ "جناح سیاست دان ہیں اور نہرو محبِ وطن" غلط مطلب اخذ کرتے نہ پھریں اور اس جملہ کو اپنی مطلب براری کے لیے استعمال نہ کریں۔ اسی شام میاں بشیر احمد (مدیر ہمایوں) علامہ اقبال کے پاس تشریف لائے اور اس جملہ کے بارے میں گفتگو کی۔ میاں صاحب نے کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ آپ نے پنڈت جی سے فرمایا تھا کہ پنڈت جی بات اصل میں یہ ہے کہ آپ تو محبِ وطن ہیں لیکن جناح قانون دان یا شاید یہ کہ جناح سیاست دان، آپ محبِ وطن۔ یہ بات ویسے تو ٹھیک معلوم نہیں ہوتی لیکن اندیشہ ہے کہ لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو مخالفین اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ ہماری کوئی صحافت نہیں ہے نہ کوئی مرکز اطلاعات اور نشر و اشاعت۔ یوں لیگ اور جناح کے خلاف پراپیگنڈہ

---

[1] سید نذیر نیازی، "اقبال کے حضور"، (اقبال اکادمی کراچی ۱۹۷۱ء)، ص ۱۰۲۔

[2] Jawahar Lal Nehru: The Discovery of India, (Bombay 1960), P.355

ہو گا۔ اس پر علامہ نے فرمایا "فرض کیجیے میرے الفاظ کا مطلب وہی ہے جو بقول آپ کے لوگوں نے سمجھا۔ اس میں کیا مضائقہ ہے۔ میں نے تو ایک سیدھی سادی بات کہی تھی وہ یہ کہ جناح سیاست دان ہیں لیکن پنڈت نہرو محب وطن۔ Jinnah is a Politician, you are a patriot.

اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ جناح میں حب الوطنی کی کمی ہے یا یہ کہ پنڈت نہرو بہت بڑے سیاستدان ہیں۔ میرا کہنا تو یہ تھا کہ پنڈت نہرو کی نظر حقائق پر نہیں ہے جیسا کہ ایک سیاستدان کی ہونی چاہیے۔ وہ جذبات کی رو میں بہہ رہے ہیں گو بسبب جذبۂ حب الوطنی۔ لیکن یہ امر سیاست کے منافی ہے۔ برعکس اس کے جناح سیاست دان ہیں ان کا مزاج قانونی ہے اور وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ یہ بھی کہ ہندوؤں اور انگریزوں میں جو کشمکش جاری ہے اس کی حقیقی نوعیت کیا ہے۔ وہ یہ نہیں کر رہے کہ حب الوطنی کے جوش میں واقعات سے آنکھیں بند کر لیں وہی تو حقیقت میں محب الوطن ہیں۔[1]

۱۹۳۶ء کے آخری دنوں میں ایک روز قائداعظم کی امانت و دیانت اور قابلیت کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس پر علامہ اقبال نے فرمایا "مسٹر جناح کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی خوبی عطا کی ہے جو آج تک ہندوستان کے کسی مسلمان میں مجھے نظر نہیں آئی۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ وہ خوبی کیا ہے تو آپ نے انگریزی میں فرمایا۔[2]

He is incorruptible and unpurchaseable

علامہ اقبال اس حقیقت میں پختہ یقین رکھتے تھے کہ مسلمانوں کی قیادت کا اہل اگر کوئی شخص ہو سکتا ہے تو وہ صرف جناح ہے۔ کیونکہ خود بقول علامہ اقبال "اس لیے کہ وہ دیانت دار ہیں انہیں خریدا نہیں جا سکتا۔ وہ مخلص ہیں ان سے اختلاف رائے کیا جا سکتا ہے۔ ان کے لائحہ عمل سے بھی اختلاف ہو سکتا ہے۔ تاہم ان کی نیت پر شبہ ممکن نہیں۔ میں نے خود سائمن کمیشن کے ضمن میں ان سے اختلاف کیا۔ مجھے لکھنؤ پیکٹ کے بارے میں بھی ان سے اختلاف ہے۔ اس کے باوصف میں ان پر بھرپور بھروسہ کر سکتا ہوں کہ وہ قوم کے بارے میں جو کچھ سوچیں گے بے غرض ہو کر سوچیں گے۔ وہ کسی لالچ یا حرص یا ہوس کے باعث قومی مفاد

۱۔ اقبال کے حضور، ۱۰۳/۱۰۲

۲۔ غلام دستگیر رشید، "آثار اقبال"، دکن ۱۹۴۵ء، ۳۱/۱

کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انہیں اسلام کے دین حق ہونے پر کامل یقین ہے نیز یہ کہ وہ بے خوف ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ انہوں نے مغربی جمہوریت کی انگریزی صورت کا انگلستان میں رہ کر گہرا مطالعہ کیا اور بر عظیم میں جس قدر طویل براہ راست تجربہ اس جمہوری عمل کا انہیں حاصل ہے اتنا اور کسی کو بھی حاصل نہیں ہے۔[1]

قائد اعظم نے اپنی ایک تقریر میں "دین" کا لفظ استعمال کیا۔ علامہ کو جب یہ تقریر پڑھ کر سنائی گئی تو آپ نے قائد اعظم کے لفظ "دین" استعمال کرنے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "جناح کی زبان سے دین کا لفظ کیسا بھلا معلوم ہوتا ہے۔"[2]

قائد اعظم نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں تقریر کرتے ہوئے صوبوں میں کانگرسی وزارتوں کے طرز عمل اور خصوصیت سے "بندے ماترم" اور اردو زبان کا ذکر کیا۔ قائد اعظم نے اس تقریر میں "بندے ماترم" کے مسلم دشمن ترانے کے متعلق فرمایا کہ "اس سے شرک کی بو آتی ہے اور یہ مسلمانوں کے خلاف ایک قسم کا نعرۂ جنگ ہے" کانگرسی صوبوں میں ہندی ہندوستانی کے جبری نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے قائد اعظم نے فرمایا کہ "میرے خیال میں یہ چیز اسلامی تمدن اور اردو زبان کے لیے پیغام مرگ ہے اور ہمارے بچوں کے لیے مہلک ثابت ہوگی۔"[3]

ایک مجلس میں جب علامہ اقبال کو قائد اعظم کی مذکورہ بالا تقریر پڑھ کر سنائی گئی تو علامہ نے اس پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور فرمایا کہ "دو باتوں سے جی خوش ہوا ایک تو جناح کے کہنے پر کہ بندے ماترم سے شرک کی بو آتی ہے۔ دوسرے اس پر کہ ہندی ہندوستانی تحریک در اصل اردو پر حملہ ہے اور اردو کے پردے میں بالواسطہ اسلامی تہذیب پر۔"[4]

اب علامہ اقبال قائد اعظم کی قیادت پر کامل یقین رکھتے تھے۔ اب آپ کی یہ پختہ رائے تھی کہ مسلمانوں

---

[1] "اقبال کے حضور" جلد دوم زیر طبع بحوالہ مضمون سرور محمد منور، قائد اعظم اقبال کے حضور وقت۔ ثانوی تعلیم، قائد اعظم نمبر، ص ۱۱۱-۱۱۲۔

[2] "اقبال کے حضور" / ۱۳۵۔ [3] "گفتار قائد اعظم" / ۱۹۸۔

[4] "اقبال کے حضور" / ۱۳۵، ۱۳۶۔

کی مشکلات کا مداوا یوں ہو سکتا ہے کہ انہیں چاہیے کہ جناح کے ہاتھ مضبوط کریں۔ متحدہ محاذ لیگ کی ہی سربراہی میں قائم ہو سکتا ہے اور لیگ کامیاب ہوگی تو جناح کے سہارے۔ جناح کے سوا اب کوئی مسلمانوں کی قیادت کا اہل نہیں۔"[1]

علامہ اقبال نے اپنی اس پختہ رائے کا اظہار یونینسٹ پارٹی کے ترجمان روزنامہ "انقلاب" کے مدیران غلام رسول مہر اور عبدالمجید سالک سے بھی کیا جو علامہ سے ملاقات کی غرض سے آئے تھے۔ دوران گفتگو علامہ نے دونوں حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "ہمارے مسائل کا حل صرف ایک ہے یونینسٹ پارٹی توڑ دی جائے۔ لیگ جو متحدہ محاذ قائم کر رہی ہے سب اس میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی زمام قیادت صرف لیگ کے ہاتھ میں ہو۔ ہمیں جناح سے بہتر کوئی آدمی نہیں مل سکتا۔ جناح ہی ہماری قیادت کے اہل ہیں۔"[2]

---

[1] ۔ "اقبال کے حضور" / ۲۹۷ - ۲۹۸ -

[2] ۔ ایضاً / ۲۹۴ -

علامہ اقبال قائدِ اعظم کی نظر میں

دوسری جانب قائدِ اعظم محمد علی جناح نے بھی کھلے دل سے علامہ اقبال کی خدمات کا اعتراف کیا۔
۱۹۴۳ء میں لاہور کے مشہور پبلشر شیخ محمد اشرف نے اقبال کے خطوط بنام جناح شائع کیے۔ قائدِ اعظم نے ان خطوط کا دیباچہ تحریر کیا۔ اس دیباچہ میں قائدِ اعظم نے اپنے دوست اقبال کی "مخلصانہ اور بے لوث" خدمات کا ذکر کیا۔ یہاں یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ خود قائدِ اعظم نے میاں بشیر احمد (سابق مدیر ہمایوں) کے نام مندرجہ ذیل خط میں ان خطوط کو "تاریخی خطوط" قرار دیا۔ مائی ڈیر میاں بشیر احمد۔ کچھ پرانے کاغذات دیکھتے ہوئے مجھے سر محمد اقبال کے چند پرانے خطوط ملے جو کہ انہوں نے مجھے اپنی وفات سے قبل ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان لکھے۔ چونکہ یہ خطوط تاریخی اہمیت حاصل کر چکے ہیں اس لیے میں ان کو محفوظ کر لینا چاہتا ہوں۔ لیکن بدقسمتی سے ان خطوط کے جوابات جو میں نے تحریر کیے وہ دستیاب نہیں ہیں کیونکہ ان خطوط کی نقول میں نے اپنے پاس نہیں رکھیں۔ کیا آپ مہربانی فرما کر ان خطوط کے جوابات حاصل کرنے کی کوشش فرمائیں گے اور مجھے جلد از جلد ارسال کریں گے"۔ [1]

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ان خطوط کے دیباچہ میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ آپ کے دلی جذبات کا آئینہ دار ہے۔ آپ نے لکھا "یہ خطوط جو اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں وہ ہمارے قومی شاعر، فلسفی اور دانشور، مرحوم ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مئی ۱۹۳۶ء سے نومبر ۱۹۳۷ء کے درمیانی عرصے میں مجھے لکھے۔ یہ بات ان کی وفات سے چند ہی ماہ قبل کی ہے۔ یہ عرصہ مسلمانانِ ہند کی تاریخ کے ایسے دور کے ساتھ آتا ہے جو نہایت اہم واقعات سے پر ہے یعنی آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ کا قیام، جون ۱۹۳۶ء اور اکتوبر ۱۹۳۷ء میں ہونے والے تاریخی اجلاس لکھنؤ کا درمیانی وقفہ"۔

---

[1] Quaid-e-Azam Papers, File No. 846/14

مرکزی پارلیمانی بورڈ اور اس کی صوبائی شاخیں پہلی بڑی کوشش تھیں کہ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے آیندہ انتخاب کے لیے مسلمانوں کی رائے ہموار کی جائے جس کے تحت صوبائی اسمبلیوں کے لیے لیگ کے ٹکٹ جاری کیے گئے تھے۔ اگر یہ پہلا اہم اقدام تھا تو دوسرا بڑا قدم جو اٹھایا گیا وہ اجلاس لکھنؤ میں یہ مرحلہ طے کرنا تھا کہ مسلم لیگ کو کس طرح از سر نو منظم کیا جائے تاکہ وہ مسلم عوام کی رائے کی عکاس بن سکے اور مسلم ہند کی واحد با اختیار نمایندہ جماعت بن سکے۔

ان دونوں مقاصد کا حصول زیادہ تر اپنے دوستوں بالخصوص علامہ اقبال کی بے لوث تائید، مخلصانہ کوشش، بے غرض مساعی اور سچی کوششوں کے باعث ہوا اور لیگ اس مختصر عرصے میں قوت پکڑتی چلی گئی۔ ان تمام صوبوں میں جہاں لیگ پارلیمانی بورڈ اور لیگ پارٹیاں قائم کی گئیں لیگ کے امیدواروں نے جس قدر نشستوں کے لیے الیکشن لڑے ان میں سے ۶۰ سے ۷۰ فی صد تک سیٹیں جیت لیں۔ مدراس کے دور دراز علاقے سے لے کر شمال مغربی سرحدی صوبے تک ہر صوبے میں سینکڑوں ڈسٹرکٹ اور ابتدائی لیگیں قائم ہوگئیں۔

لیگ نے کانگریس کی جاری کردہ نام نہاد مسلم عوامی رابطہ کی تحریک جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے اور لیگ کو مطیع بنانے کے لیے شروع کی گئی تھی اس پر کاری ضرب لگائی۔ لیگ نے بیشتر ضمنی انتخابات جیت لیے اور جو لوگ ریشہ دوانیوں اور عیارانہ سازشوں کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ مسلم لیگ کو مسلمانوں کی حمایت حاصل نہیں ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

آل انڈیا مسلم لیگ لکھنؤ اجلاس سے صرف اٹھارہ ماہ قبل مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت کی حیثیت سے ابھری اور اس کا ایک ترقی پسندانہ اور ترقی پذیر پروگرام بھی وجود میں آگیا اور اس کے زیر اثر وہ صوبے بھی آگئے جو وقت کی کمی یا تیاری کی کمی کے سبب ابھی تک لیگ پارلیمانی بورڈوں کی سرگرمیوں سے پورا پورا فائدہ نہ اٹھا سکے۔ لکھنؤ اجلاس نے اس امر کا ناقابل تردید ثبوت مہیا کر دیا کہ لیگ کو مسلمانوں کے تمام طبقوں اور گروہوں میں کس قدر مقبولیت حاصل ہے۔

مسلم لیگ کے لیے ایک بڑی کامیابی یہ تھی کہ اکثریتی اور اقلیتی دونوں صوبوں میں اس کی قیادت تسلیم کرلی گئی۔ اس کامیابی کا سہرا تمام تر سر محمد اقبال کے سر ہے جو اس وقت عوام کے سامنے ظاہر نہیں ہوا۔ بلکہ جناح پیکٹ پر عمل کے سلسلے میں ان کے اپنے کچھ شکوک تھے اور وہ اس کی تعبیر اور روشن نتائج کو جلد از جلد

دیکھنے کے خواہش مند تھے تاکہ ابھرتے ہوئے شکوک اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔ مگر افسوس کہ وہ یہ دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہے کہ پنجاب میں اس قدر ہمہ گیر ترقی ہوئی ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی کہ مسلمان مضبوطی کے ساتھ مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔

اس مختصر تاریخی پس منظر کے بعد ان خطوط کو بہت دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ تاہم مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ اقبال کو جو جوابات میں نے تحریر کیے دستیاب نہیں ہیں۔ مذکورہ عرصے کے دوران میں بالکل تنہا اور ذاتی سٹاف کی معاونت کے بغیر کام کرتا تھا۔ چونکہ مجھے متعدد خطوط کے جوابات خود ہی لکھنا ہوتے تھے اس لیے ان کی نقول بھی اپنے پاس نہ رکھ سکا۔ میں نے اس ضمن میں لاہور میں اقبال کے لواحقین سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ میرے جوابات وہاں بھی دستیاب نہیں ہیں۔ لہٰذا میرے لیے کوئی اور صورت نہ تھی کہ ان خطوط کو اپنے تحریر کردہ جوابات کے بغیر ہی شائع کر دوں کیونکہ میرے نزدیک یہ خطوط بے حد تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ بالخصوص وہ خطوط جن میں اقبال نے مسلم ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں اپنے خیالات کا نہایت واضح الفاظ میں کیا ہے۔ ان کے خیالات مجموعی طور پر میرے تصورات سے ہم آہنگ تھے۔ ہندوستان کو جو آئینی مسائل درپیش تھے ان کے گہرے مطالعہ اور غور و خوض کے بعد میں بھی آخر کار ان ہی نتائج تک پہنچا جن تک سر اقبال پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ اور یہ خیالات وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانانِ ہند کے متحدہ عزم کی شکل میں ظاہر ہوئے اور آل انڈیا مسلم لیگ کی اس قرارداد کی صورت میں ڈھل گئے جو ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منظور ہوئی اور جسے اب قراردادِ پاکستان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔[۱]

علامہ اقبال کی وفات پر قائدِ اعظم کے تاثرات

علامہ اقبال ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے اور قائدِ اعظم اپنے فلسفی شاعر اور دستِ راست سے محروم ہو گئے۔ علامہ کی ذات آل انڈیا مسلم لیگ اور قائدِ اعظم محمد علی جناح دونوں کے لیے پنجاب میں زبردست قوت کا سبب تھی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ قائدِ اعظم نے اپنے دوست علامہ اقبال کی وفات پر

---

[۱] اقبال کے خطوط بنام جناح (شیخ محمد اشرف لاہور)، دیباچہ، ص ۱-۲۰۔

گہرے رنج وغم کا اظہار کیا۔ قائد اعظم نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا "مجھے سر محمد اقبال کی وفات کی خبر سن کر سخت رنج ہوا۔ وہ عالمی شہرت کے ایک نہایت ممتاز شاعر تھے۔ ان کی شہرت اور ان کے کام ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ملک اور مسلمانوں کی انہوں نے اتنی زیادہ خدمات انجام دی ہیں کہ ان کے ریکارڈ کا مقابلہ عظیم ترین ہندوستانی کے ریکارڈ سے کیا جا سکتا ہے۔ ابھی حال ہی تک وہ پنجاب کی صوبائی مسلم لیگ کے صدر تھے جب کہ ایک غیر متوقع علالت نے انہیں استعفیٰ پر مجبور کر دیا۔ وہ آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام کے حامی تھے۔ میرے لیے وہ ایک رہنما بھی تھے، دوست بھی اور فلسفی بھی۔ تاریک ترین لمحوں میں جن سے مسلم لیگ کو گزرنا پڑا وہ چٹان کی طرح قائم رہے اور ایک لمحے کے لیے بھی متزلزل نہیں ہوئے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صرف تین دن قبل انہوں نے اس کامل اتحاد کا ذکر پڑھا یا سنا ہوگا جو کلکتہ میں پنجاب کے مسلم قائدین کے مابین ہو گیا۔ اور آج میں فخر و مباہات کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مسلمانانِ پنجاب مکمل طور پر مسلم لیگ کے ساتھ ہیں اور اس کے جھنڈے تلے آچکے ہیں جو یقیناً سر محمد اقبال کے لیے عظیم ترین اطمینان کا واقعہ تھا۔ اس مفارقت میں میری نہایت مخلصانہ اور گہری ہمدردیاں ان کے خاندان کے ساتھ ہیں۔ اس نازک وقت میں ہندوستان کو اور خصوصاً مسلمانوں کو ایک عظیم نقصان پہنچا ہے۔" ؎[1]

آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں قائد اعظم کی زیر صدارت تعزیتی قرارداد۔

۴ دسمبر ۱۹۳۸ء کو دہلی میں آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس قائد اعظم محمد علی جناح کی زیر صدارت منعقد ہوا جہاں علامہ اقبال کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا گیا۔ اس اجلاس میں علامہ کی وفات پر مندرجہ ذیل تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا یہ اجلاس ایک فلسفی اور عظیم قومی شاعر کی خدمات کا اعتراف کرتا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے مستقبل کی تعمیر اپنے ماضی کی روایات کو سامنے رکھ کر کریں۔ اگرچہ آج وہ ہم میں موجود نہیں لیکن اپنی لافانی شاعری کے ذریعے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ان کا کلام تمام دنیا

؎[1] "سب رس"، اقبال نمبر، جون ۱۹۳۸ء/۶۷۔

کے مسلمانوں کے دلوں کو گرماتا رہے گا۔ کونسل کا یہ اجلاس ان کی وفات پر انتہائی رنج و غم کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے یلے

اجلاس پٹنہ میں تقریر

۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس پٹنہ میں قائداعظم نے اپنے دوست علامہ اقبال کی وفات پر گہرے دکھ اور رنج کا اظہار کرتے ہوئے اپنی تقریر میں فرمایا "علامہ اقبال میرے ذاتی دوست تھے جن کا شمار دنیا کے عظیم شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ اس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک اسلام زندہ ہے ان کی عظیم شاعری ہندوستانی مسلمانوں کی خواہشات کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔ ان کی شاعری ہمارے لیے اور ہماری آیندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ کا کام دے گی" ۲لے

یوم اقبال میں شرکت

مارچ ۱۹۴۰ء میں جب قائداعظم مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلے میں لاہور تشریف لائے تو اس موقع پر آپ نے پنجاب یونیورسٹی ہال لاہور میں منعقدہ یوم اقبال کے ایک جلسے کی صدارت بھی فرمائی۔ قائداعظم نے اپنی صدارتی تقریر میں علامہ اقبال کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا "اقبال میرا پرانا دوست تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ آل انڈیا مسلم لیگ ابتداء میں ایک قسم کی علمی Academic جماعت تھی۔ ۱۹۳۶ء میں ہم میں سے بعض نے خیال کیا کہ اس جماعت کو صحیح پارلیمانی جماعت میں بدل دیا جائے۔ جب میں اپریل ۱۹۳۶ء میں پنجاب آیا تو پہلا شخص جسے علاوہ علامہ اقبال تھے، میں نے اپنے خیالات پیش کیے انہوں نے فوراً لبیک کہی اور اس وقت سے تا دمِ مرگ اقبال میرے ساتھ مضبوط چٹان کی طرح کھڑے رہے۔ اقبال بہت بڑے آدمی تھے اور بلاشبہ بہت بڑے شاعر تھے۔ جب تک مشرقی زبانیں زندہ رہیں گی اقبال کا کلام زندہ رہے گا وہ خود ہندوستانی تھا لیکن دنیا میں "شاعرِ اعظم" کی حیثیت سے متعارف تھا۔ اقبال نے مسلم سیاسی شعور

۱لے Liaqat Ali Khan: Resolutions of the all India Muslim League, Delhi/45

۲لے Syed Sharif-ud-Din Peerzada: Foundation of Pakistan, Karachi, 1971, Vol. II, P.303

پیدا کرنے میں گراں بہا خدمات انجام دیں۔ میں اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ میں علی گڑھ سے بریلی کا سفر کر رہا تھا راستے میں ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر گاڑی ٹھہری تو سینکڑوں کی تعداد میں دیہاتی جمع ہو گئے۔ میں حیران تھا کہ ان کے اجتماع کا مقصد کیا ہے؟ دفعتاً ان سب نے اقبال کا یہ ترانہ پڑھنا شروع کر دیا:

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا

شعرا اقوام میں جان پیدا کرتے ہیں، ملٹن شیکسپیر بائرن وغیرہ نے قوم کی بے بہا خدمت کی ہے۔ کارلائل نے شیکسپیر کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز کا ذکر کیا ہے جب شیکسپیر اور دولت برطانیہ میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو اس نے کہا "میں شیکسپیر کو کسی قیمت پر نہ دوں گا۔ گو میرے پاس سلطنت نہیں ہے لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا۔"[1]

(روزنامہ انقلاب لاہور ۲۹ مارچ ۱۹۴۰ء)

۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو یوم اقبال کی ایک اور مجلس سے قائداعظم نے خطاب کیا۔ اپنی تقریر میں قائداعظم نے فرمایا "اگر میں اس تقریب میں شامل نہ ہوتا تو اپنی ذات کے ساتھ بڑی بے انصافی کرتا۔ میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ مجھے اس جلسے میں شامل ہو کر اقبال مرحوم کو عقیدت کے پھول پیش کرنے کا موقع ملا ہے۔ اقبال کی ادبی شخصیت عالمگیر ہے، وہ بڑے ادیب، بلند پایہ شاعر اور مفکر اعظم تھے لیکن اس حقیقت کو میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایک بہت بڑے سیاست دان بھی تھے۔ انہوں نے آپ کے سامنے ایک واضح اور صحیح راستہ رکھ دیا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہو سکتا۔ مرحوم دورِ حاضر میں اسلام کے بہترین شارح تھے کیونکہ اس زمانے میں اقبال سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا۔ مجھے اس امر کا فخر حاصل ہے کہ ان کی قیادت میں ایک سپاہی کی حیثیت سے کام کرنے کا مجھے موقع مل چکا ہے۔ میں نے ان سے زیادہ وفادار رفیق اور اسلام کا شیدائی نہیں دیکھا۔ جس بات کو وہ صحیح خیال کرتے یقیناً وہ صحیح ہوتی اور وہ اس پر مضبوط چٹان کی طرح قائم رہتے تھے۔ ان کی علمی اور ادبی گلکاریوں کی وجہ سے ان کا نام جریدۂ عالم پر

---

[1] "گفتار قائداعظم": ۲۴۲/۔

ثبت ہو چکا ہے ¹

۱۹۴۱ء میں شاہد حسین رزاقی نے "اقبال اور سیاست" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اس کتاب پر جو دیباچہ لکھا اس کا ایک ایک لفظ اقبال کے لیے عقیدت و احترام میں ڈوبا نظر آتا ہے۔ قائدِ اعظم نے لکھا:

"Every great movement has a philosopher and Iqbal was the philosopher of the national renaisance of Muslim India He, in his work, has left an exhaustive and most valuable lagacy behind him and a messagenot only for the Muslims but for all other nations of the world.
Iqbal was a poet who inspired the Muslims with the spirit and determination to restore to Islam its former glory and although he is no more with us, his memory will grow younger and younger with the progress and development of Muslim India" ²

نومبر ۱۹۴۲ء میں قائدِ اعظم لاہور تشریف لائے۔ ۲۲ نومبر ۴۲ کو آپ میاں بشیر احمد (سابق مدیر ہمایوں) اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں کے ہمراہ علامہ اقبال کے مزار پر پہنچے۔ فاتحہ کے بعد قائدِ اعظم کو علامہ اقبال کا وہ فقرہ یاد دلایا گیا جو انہوں نے قائدِ اعظم کو ایک خط میں لکھا تھا کہ "مسٹر جناح آپ واحد شخص ہیں جو اسلامی ہند کو اس سیلاب سے بچا سکتے ہیں جو ۱۹۳۵ء کے آئین حکومت ہند کے جلو میں آ رہا ہے۔" تو قائدِ اعظم نے فرمایا "میں اس زمانے میں تین مرتبہ پنجاب آیا اگر مجھے تسکین ملی تو اس مردِ قلندر کی بارگاہ میں"۔ اس کے بعد قائدِ اعظم کو "ذوق و شوق" کے چند شعر سنائے گئے تو آپ نے سن کر فرمایا کہ "روحِ مسلمان میں واقعی اضطراب ہے اور انشاء اللہ ہم ایک عظیم الشان اور پاکیزہ انقلاب

---

¹ ہفت روزہ "حمایت اسلام" لاہور، ۶ مارچ ۱۹۴۱ء - ۲۰۲۔

² Ahmad Saeed: Writings of the Quaid-e-Azam, Lahore, 1976, P.31

برپا کرنے میں کامیاب ہوں گے ۔[1]

۱۹۴۴ء میں ایک مرتبہ پھر قائد اعظم نے علامہ اقبال کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ یوم اقبال کے موقع پر آپ نے فرمایا" میں اس دن جب کہ ہمارے عظیم ملی شاعر، فلاسفر اور مفکر اقبال کا یوم منایا جا رہا ہے خلوص قلب سے انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی روح کو بے پایاں رحمت سے ابدی اطمینان بخشیں۔

اگرچہ اقبال آج ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ان کا غیر فانی کلام ہمارے دلوں کو گرماتا رہے گا۔ ان کی شاعری جو کہ حسن بیان کے ساتھ حسن معانی کی بھی آئینہ دار ہے اس عظیم شاعر کے دل و دماغ میں اُن پنہاں جذبات، حسیات اور افکار کی عکاسی بھی کرتی ہے جن کا سرچشمہ اسلام کی سرمدی تعلیم ہے۔ اقبال پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور مخلص پیروکار تھے۔ وہ اوّل تا آخر مسلمان اور اسلام کے صحیح مفسر تھے۔

اقبال محض ایک فلاسفر اور معلم ہی نہ تھے بلکہ وہ حوصلہ، عمل، استقامت اور خود اعتمادی کے پیکر بھی تھے۔ سب سے بڑھ کر انہیں اللہ تعالیٰ پر لازوال ایمان و ایقان تھا۔ وہ اسلام کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ ان کی زندگی ایک شاعر کے بلند مقاصد کے ساتھ ایک عملی انسان کی حقیقت پسندی کا حسین امتزاج تھی۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ سعی پیہم ان کی مسلسل جدوجہد ان کے پیغام کا جزو لاینفک ہے۔ اس لحاظ سے وہ صحیح معنوں میں اسلامیت کا نمونہ تھے۔ انہیں اسلام کے اصولوں سے غیر فانی لگاؤ تھا اور ان کے نزدیک زندگی میں کامیابی کا راز اپنی خودی کا شعور حاصل کرنا تھا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ اسلام کی تعلیم پر نہ صرف ایمان رکھتے تھے بلکہ اسے شاہراہ عمل بھی گردانتے تھے۔ اقبال ایک عظیم شاعر اور فلاسفر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عملی سیاست دان بھی تھے۔ جہاں انہیں ایک طرف اسلام کے مقاصد سے شیفتگی اور عقیدت تھی وہاں وہ ان چند لوگوں میں سے تھے جنہوں نے پہلے پہل ایک اسلامی مملکت کا خواب دیکھا تھا۔ ایک ایسی مملکت جو کہ ہندوستان کے شمال مغربی اور جنوب مشرقی حصوں پر مشتمل ہو گی جو کہ تاریخی لحاظ سے مسلمانوں کا وطن سمجھے جاتے ہیں۔

میں پورے خلوص سے یوم اقبال کی کامیابی کا خواہاں ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان

---

[1] روزنامہ "انقلاب" (لاہور) ۲۵ نومبر ۱۹۴۲ء

اصولوں کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن کی جھلک ان کے کلام میں موجود ہے تاکہ ہم بالآخر پاکستان حاصل کر کے ان ہی اصولوں کو اپنی مکمل طور پر خود مختار اور آزاد مملکت میں جاری وساری کر سکیں۔[1]

---

[1] شورش کاشمیری، "اقبال پیامبر انقلاب"۔ (فیروز سنز لاہور، ۱۹۶۸، ص ۲۳-۲۴۔)

ضمیمہ

اقبال کے خطوط بنام قائدِ اعظم

لاہور، ۲۳ مئی ۱۹۳۶ء،

ڈیئر مسٹر جناح،

ابھی ابھی آپ کا خط ملا اس کے لیے بے حد ممنون ہوں۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کا کام (پارلیمانی بورڈ کے سلسلے میں) آگے بڑھ رہا ہے۔ مجھے امید ہے کہ پنجاب کی جماعتیں بالخصوص احرار اور اتحادِ ملت کچھ پس و پیش کے بعد بالآخر آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گی۔ اتحادِ ملت کے ایک سرگرم و فعال رکن نے مجھے چند روز ہوتے یہی بات بتلائی ہے۔ مولانا ظفر علی خاں کے رویے کے بارے میں خود اتحادِ ملت کے لوگ بھی کچھ زیادہ وثوق سے نہیں کہہ سکتے۔ بہرحال ابھی کافی وقت ہے اس لیے جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ رائے دہندگان اسمبلی میں اتحادِ ملت کے آدمی بھیجنے کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ ملاقات کا آرزومند۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال۔

لاہور، ۹ جون ۱۹۳۶ء۔

مائی ڈیئر مسٹر جناح،

میں آپ کو اپنا مسودہ بھیج رہا ہوں اور اس کے سا ہی کل کے "ایسٹرن ٹائمز" کا ایک تراشہ

بھی بھیج رہا ہوں۔ یہ گورداس پور کے ایک قابل وکیل کا ایک خط ہے۔

مجھے امید ہے کہ پارلیمانی بورڈ کی جانب سے جو بیان جاری کیا جائے گا اس میں سکیم کی پوری تفصیل موجود ہوگی اور ساتھ ہی اس سکیم پر اب تک جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کا جواب بھی دیا جائے گا۔ اس بیان میں راست بازی سے مسلمانانِ ہند کی حکومت اور ہندوؤں کے ضمن میں موجود پوزیشن سے متعلق واضح اور صاف صاف اعلان ہونا چاہیئے۔ اس بیان میں یہ انتباہ بھی ہونا چاہیے کہ اگر مسلمانانِ ہند نے موجودہ (پارلیمانی بورڈ) سکیم کو منظور نہیں کیا تو نہ صرف وہ تمام کچھ جو انہوں نے گزشتہ پندرہ سالوں میں حاصل کیا کھو دیں گے بلکہ اپنا شیرازہ خود اپنے ہاتھوں سے درہم برہم کر کے اپنے لیے خسارے کا باعث ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

مکرر: میں آپ کا ممنون ہوں گا اگر آپ اپنا بیان اخبارات کو بھیجنے سے قبل مجھے بھیج سکیں۔

بیان میں ایک اور نکتہ جو واضح کیا جائے پیش کرتا ہوں۔

(۱) مرکزی اسمبلی کے لیے بالواسطہ طریقِ انتخاب نے یہ بات قطعی طور پر ضروری بنادی ہے کہ جو اراکین صوبائی اسمبلیوں کے لیے منتخب کیے جائیں وہ آل انڈیا مسلم پالیسی اور پروگرام کے پابند ہوں تاکہ وہ مرکزی اسمبلی کے لیے جو نمایندے چنیں وہ ایسے لوگ ہوں جو سنٹرل اسمبلی میں مرکزی امور جن کا تعلق خاص مسلمانوں سے ہے ان کی تائید و حمایت کریں اور اپنی حیثیت اس طرح منوائیں کہ جس سے معلوم ہو کہ وہ ہندوستان کی دوسری بڑی قوم ہیں۔ جو لوگ اس وقت صوبائی پالیسیوں اور پروگراموں کی حمایت کر رہے ہیں دراصل وہی لوگ مرکزی اسمبلی کے لیے بالواسطہ طریقِ انتخاب کو آئین کا جزو بنانے کے سلسلے میں آلۂ کار بنتے ہوئے تھے۔ بلاشبہ اسی امر میں غیر ملکی حکومت کا مفاد وابستہ تھا۔ اب جب کہ ہماری قوم اس بدبختی (بالواسطہ انتخاب) سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہتی ہے اور اس نے انتخاب کے لیے ایک کل ہند پالیسی طے کی ہے جس کی ہر صوبائی امیدوار پابندی کرے تو اب وہی لوگ غیر ملکی حکومت کے اشاروں پر قوم کو شیرازہ بندی کی کوششوں میں ناکام بنانے کے لیے مصروفِ عمل ہیں۔

(۲) اسلامی وقف (جیسا کہ مسجد شہید گنج نے ضرورت کا احساس کرایا ہے) سے متعلق قانون اور اسلامی ثقافت، زبان، مساجد اور قانونِ شریعت سے متعلق مسائل پر بھی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

پرائیویٹ اور خفیہ

لاہور، ۲۵ جون ۱۹۳۶ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح،

دو ایک روز قبل سر سکندر حیات لاہور سے روانہ ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ آپ سے بمبئی میں ملیں گے اور آپ سے چند اہم امور پر بات چیت کریں گے۔ کل شام دولتانہ مجھ سے ملنے آئے تھے وہ کہتے تھے کہ یونینسٹ پارٹی کے مسلمان اراکین مندرجہ ذیل اعلان کرنے کو تیار ہیں کہ:

''ان تمام امور میں جن کا تعلق مسلم قوم سے بحیثیت ایک کل ہند اقلیت کے ہوگا وہ لیگ کے فیصلہ کے پابند ہوں گے اور صوبائی اسمبلی میں کسی بھی غیر مسلم گروپ کے ساتھ قطعاً کوئی معاہدہ نہیں کریں گے بشرطیکہ صوبائی لیگ مندرجہ ذیل اعلان کرے کہ:

''جو لوگ لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوں گے وہ اس پارٹی یا گروپ کے ساتھ تعاون کریں گے جس میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی''۔

ازراہ کرم اپنی پہلی فرصت میں اس تجویز کے بارے میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں نیز سر سکندر سے آپ کی جو گفتگو ہوتی اس کے نتائج سے بھی آگاہ فرمائیں۔ اگر آپ انہیں قائل کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو شاید وہ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص،

محمد اقبال۔

میو روڈ لاہور، ۲۳ اگست ۱۹۳۶ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح

مجھے امید ہے کہ آپ کو میرا خط مل گیا ہوگا۔ پنجاب پارلیمانی بورڈ اور یونینسٹ پارٹی کے درمیان کسی مفاہمت کی خبریں سننے میں آرہی ہیں۔ میں اس قسم کی مفاہمت کے بارے میں آپ کی رائے جاننا پسند کروں گا نیز یہ کہ اس قسم کی مفاہمت کی کیا شرائط ہونی چاہییں۔ میں نے اخبارات میں پڑھا کہ آپ نے بنگال پرجا پارٹی اور (مسلم لیگ مرکزی) پارلیمانی بورڈ کے درمیان مفاہمت کرائی ہے۔ میں اس مفاہمت

کی شرائط و ضوابط جاننا پسند کروں گا۔ کیونکہ پرجا پارٹی بھی یونینسٹ پارٹی کی مانند ایک غیر فرقہ وار جماعت ہے بنگال میں آپ کی مفاہمت یہاں بھی آپ کے لیے فائدہ مند ہو سکتی ہے۔

امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال،

"نہایت خفیہ"

لاہور، ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح

مجھے امید ہے کہ آپ نے پنڈت نہرو کا وہ خطبہ پڑھا ہوگا جو انہوں نے آل انڈیا نیشنل کنونشن کے موقعے پر پڑھا۔ اور اس خطبے میں ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق جو روح کارفرما نظر آتی ہے وہ بھی آپ کی نظروں سے پوشیدہ نہ ہوگی۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ نئے آئین (۱۹۳۵ء) نے ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان اور مسلم ایشیا میں آیندہ سیاسی تبدیلیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو منظم کرنے کا ایک نادر موقع فراہم کیا ہے۔ اگرچہ ہم ملک کی دیگر ترقی پسند جماعتوں کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہیں لیکن ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ایشیا میں اسلام کی سیاسی اور اخلاقی قوت کا انحصار کلیۃً مسلمانان کی تنظیم کامل پر منحصر ہے۔ اس لیے میری تجویز یہ ہے کہ آل انڈیا نیشنل کنونشن کو ایک پرزور جواب دیا جانا چاہیے۔ آپ دہلی میں فوراً آل انڈیا مسلم کنونشن کا انعقاد کریں جس میں تمام صوبائی اسمبلیوں کے نو منتخب ارکان اور دیگر اہم مسلمان سیاسی لیڈروں کو مدعو کریں۔ اس کنونشن میں آپ پوری قوت اور واشگاف طور پر ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی نصب العین واضح کر دیں کہ وہ ملک میں ایک جداگانہ سیاسی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان اور بیرونِ ہند یہ تبلانا بھی نہایت ضروری ہے کہ ہندوستان کو محض اقتصادی مسئلہ ہی درپیش نہیں ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے اسلامی نقطۂ نظر سے تہذیبی ورثے کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے بلکہ یہ اقتصادی مسئلے سے کم اہم نہیں۔ اگر آپ اس نوع کا کنونشن منعقد کریں تو پھر ایسے مسلم اراکینِ اسمبلی کی نیتوں کا پتہ بھی

چل جائے گا جنہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کی خواہشات اور مقاصد کے خلاف جماعتیں بنا رکھی ہیں، علاوہ ازیں اس سے ہندوؤں پر بھی یہ واضح ہو جائے گا کہ خواہ کیسی ہی عیارانہ سیاسی چال کیوں نہ چلی جائے ہندوستانی مسلمان اپنی ثقافتی وحدت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ میں چند ایک روز میں دہلی آ رہا ہوں اور اس اہم پر آپ سے گفتگو کروں گا۔ میں افغان قونصل خانے میں قیام کروں گا، اگر آپ کچھ وقت نکال سکیں تو ہماری وہاں، ملاقات ہو جاتے۔

از راہِ کرم اس خط کے جواب میں چند حروف جلد از جلد تحریر فرما دیں۔

مکرر: معاف فرمایئے یہ خط میں نے اپنے ایک دوست سے لکھوایا ہے کیونکہ میری بینائی خراب ہوتی جا رہی ہے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور، ۲۲ اپریل ۳۷ ۱۹ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح

کوئی دو ہفتے ہوئے آپ کو ایک خط تحریر کیا تھا معلوم نہیں وہ خط آپ تک پہنچا ہے یا نہیں۔ یہ خط آپ کے دہلی کے پتہ پر لکھا تھا۔ بعد میں جب میں دہلی گیا تو معلوم ہوا کہ آپ دہلی سے پہلے ہی روانہ ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے اس خط میں تجویز کیا تھا کہ ہمیں فوراً آل انڈیا مسلم کونشن دہلی میں منعقد کرنی چاہیے اور ایک مرتبہ پھر حکومت اور ہندوؤں سے متعلق مسلمانانِ ہند کی پالیسی کی وضاحت کرنی چاہیے۔

چونکہ صورت حال نازک ہوتی جا رہی ہے اور پنجاب میں مختلف وجوہ کی بنا پر جس کی تفصیل اس وقت غیر ضروری ہے۔ مسلمانوں کے رجحانات تیزی سے کانگرس کی طرف مائل ہوتے جا رہے ہیں اس لیے میں درخواست کروں گا کہ آپ اس معاملے پر غور فرمائیں اور اس کے متعلق جلد از جلد فیصلہ کریں۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس اگست تک ملتوی ہو چکا ہے اس لیے ان حالات میں ضروری ہے کہ مسلمانوں کی پالیسی سے متعلق دوبارہ فوری اعلان کیا جائے۔ اگر مجوزہ کونشن سے قبل ممتاز مسلمان قائدین ملک کا دورہ کریں تو کونشن کی کامیابی یقینی ہے از راہِ کرم اس خط کا جواب جس قدر جلد ممکن ہو سکے عنایت فرمائیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور، ۲۸ مئی ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح

آپ کے خط کا شکریہ جو مجھے اس اثنا میں مل گیا۔ مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ لیگ کے پروگرام اور آئین میں تبدیلی سے متعلق جو کچھ میں نے آپکو لکھا تھا آپ اسے مدِنظر رکھیں گے۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آپ کو اس صورتِ حال کی نزاکت جس کا مسلم ہند سے تعلق ہے پورا پورا احساس ہے۔ لیگ کو بالآخر یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ مسلمانوں کے محض اعلیٰ طبقے کی نمائندہ بنی رہے یا عام مسلمانوں کی نمائندگی کرے جو اب تک معقول وجوہ کی بنا پر اس میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ کوئی سیاسی جماعت جب تک عام مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے کا وعدہ نہ کرے وہ اس وقت تک عوام کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔

نئے آئین (۱۹۳۵ء) میں بڑی بڑی آسامیاں تو اعلیٰ طبقے کے بچوں ہی کے لیے وقف ہیں اور جو چھوٹی چھوٹی ملازمتیں ہیں وہ وزراء کے دوستوں اور رشتہ داروں کی نذر ہو جاتی ہیں۔ دوسرے امور میں بھی ہمارے سیاسی اداروں نے عام مسلمان کی حالت بہتر بنانے کے باب میں سوچا ہی نہیں۔ روٹی کا مسئلہ دن بدن ٹیڑھا ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں میں یہ احساس بڑھتا جا رہا ہے کہ گزشتہ دو سو سالوں میں وہ برابر تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ عام طور سے وہ (مسلمان) سمجھتے ہیں کہ ہندو کی سود خوری اور سرمایہ داری اس کی غربت کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن یہ احساس کہ غیر ملکی حکومت بھی ان کے افلاس کی ذمہ دار ہے ابھی عام مسلمان کے ذہن میں پیدا نہیں ہوا۔ مگر یہ احساس ضرور پیدا ہو کر رہے گا۔ جواہر لال کی لادینی اشتراکیت مسلمانوں میں کبھی مقبول نہیں ہوگی۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کی غربت کے مسئلے کو کس طرح حل کیا جائے۔ اور لیگ کا تمام مستقبل اس بات پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک مسلمانوں کے اس مسئلے کا حل نکالتی ہے۔ اگر لیگ نے اس سلسلے میں کوئی امید افزا اقدام نہ اٹھایا تو مجھے یقین ہے کہ مسلمان عوام پہلے کی مانند لیگ سے لاتعلق رہیں گے۔ خوش قسمتی سے اسلامی قانون کے نفاذ سے اس مسئلے کا حل ہو سکتا ہے۔

اسلامی قوانین کے گہرے اور وقتِ نظر مطالعے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس قانون

کو اچھی طرح سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے تو کم از کم ہر شخص کے لیے حق روزی تو محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اس ملک میں جب تک ایک آزاد مسلم ریاست یا ریاستیں معرض وجود میں نہ آئیں اسلامی شریعت کا نفاذ ممکن نہیں۔ سال ہا سال سے میرا یہی عقیدہ رہا ہے اور میں اب بھی اسی کو مسلمانوں کی روٹی کے مسئلے اور، ہندوستان کے امن و امان کا بہترین حل سمجھتا ہوں۔ اگر یہ بات ممکن نہیں تو ہندوستان کے لیے دوسرا راستہ محض خانہ جنگی ہی کا باقی رہ جاتا ہے جو کہ درحقیقت پہلے ہی ہندو مسلم فسادات کی شکل میں کئی سالوں سے ظہور پذیر ہو چکی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ ہندوستان کے کچھ حصوں مثلاً شمال مغربی ہندوستان میں فلسطین کی داستان دھرائی جائے گی اور یہ بھی کہ جواہر لعل کی اشتراکیت اگر ہندوؤں کی ہیئت سیاسیہ میں سرایت کر گئی تو خود ہندوؤں میں بہت خون خرابہ ہو گا۔ معاشرتی جمہوریت (سوشل ڈیموکریسی) اور برہمنیت میں وجہ نزاع بدھ مت اور برہمنیت کے نزاع سے مختلف نہیں۔ آیا ہندوستان میں اشتراکیت کا حشر بدھ مت کا سا ہو گا یا نہیں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے اتنا ضرور نظر آتا ہے کہ اگر ہندومت نے معاشرتی جمہوریت (سوشل ڈیماکریسی) کو قبول کر لیا تو خود ہندو دھرم ہی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسلام کے لیے سوشل ڈیماکریسی social democracy کا کسی موزوں شکل میں اور شریعت کے مطابق قبول کرنا کوئی نئی بات یا انقلاب نہیں بلکہ ایسا کرنا اسلام کی اصل پاکیزگی کی طرف لوٹنا ہو گا۔ مسائل حاضرہ کا حل مسلمانوں کے لیے، ہندوؤں سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ مسلم ہند کے ان مسائل کا حل اسی وقت ممکن ہو سکے گا جب کہ ملک کی از سر نو تقسیم کی جائے اور ایک یا زائد مسلم ریاستیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہو وجود میں لائی جائیں۔ کیا آپ کے خیال میں اس مطالبے کا وقت نہیں آن پہنچا؟ شاید جواہر لعل کی بے دین اشتراکیت کا آپ کے پاس یہ بہترین جواب ہے۔

بہرحال میں نے اپنے خیالات آپ کی خدمت میں اس امید پر پیش کر دیے ہیں کہ آپ ان خیالات کو اپنے خطبہ یا لیگ کے آئندہ اجلاس کے مباحث میں پوری توجہ دیں گے۔ مسلم ہند کو یہ توقع ہے کہ آپ کی فطانت و فراست اس نازک مرحلے پر موجودہ مشکلات کا کوئی حل نکالے گی۔

مخلص

محمد اقبال

مکرر: اس خط کے موضوع پر میرا ارادہ تھا کہ آپ کے نام اخبارات میں ایک کھلا خط شائع کراؤ

دوں لیکن مزید غور و خوض کے بعد میں نے موجودہ وقت کو اس کے لیے مناسب نہ پایا۔

لاہور، ۲۱ جون ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر مسٹر جناح

مجھے کل آپ کا خط ملا شکریہ۔ مجھے علم ہے کہ آپ بہت مصروف انسان ہیں مگر امید ہے کہ اگر آپ کو بار بار خط لکھوں تو بارِ خاطر نہ ہوگا کیونکہ اس وقت جب کہ شمال مغربی ہندوستان بلکہ تمام ہندوستان میں جو طوفان بڑھتا آرہا ہے ہندوستانی مسلمان صرف آپ ہی سے رہنمائی کی امید رکھتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہم حقیقتاً خانہ جنگی کی حالت میں ہیں اور اگر فوج اور پولیس موجود نہ ہو تو یہ چشم زدن میں عالم گیر ہو جائے۔ گزشتہ چند مہینوں سے ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ جاری ہے۔ صرف شمال مغربی ہندوستان میں ان تین ماہ میں کم از کم تین فسادات ہوئے اور ہندوؤں اور سکھوں کی جانب سے اہانتِ رسولؐ کی کم از کم چار وارداتیں ہو چکی ہیں۔ ان چاروں وارداتوں کے مجرموں کو قتل کر دیا گیا۔ ادھر ہندوستان میں قرآن مجید کو جلانے کے واقعات بھی پیش آئے ہیں۔ اس تمام صورتِ حال کا میں نے بغور مطالعہ کیا اور بالآخر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان تمام واقعات کی اصل وجہ نہ معاشی ہیں نہ مذہبی بلکہ سراسر سیاسی ہیں وہ یہ کہ ہندو اور سکھ مسلمانوں کو ان کے اکثریتی صوبوں میں بھی ہراساں کرنا چاہتے ہیں۔ ادھر نیا آئین اس قسم کا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو ان کے اکثریتی صوبوں میں بھی غیر مسلموں کا محتاج بنا رکھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلم وزارت نہ یہ کہ کوئی مناسب کارروائی نہیں کر سکتی بلکہ الٹا مسلمانوں ہی سے ناانصافی برتتی ہے تاکہ وہ لوگ جن کی امداد پر ان کی وزارت کا انحصار ہے ان کو خوش کر سکیں۔ دوسرے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وزارت بالکل غیر جانبدار ہے۔ لہٰذا ہمارے پاس اس آئین (۱۹۳۵ء) کو مسترد کرنے کے لیے خاص وجوہ موجود ہیں۔ مجھے تو یوں نظر آتا ہے کہ یہ آئین محض ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ ہندو اکثریتی صوبوں میں ہندوؤں کو قطعی اکثریت حاصل ہے او وہاں وہ مسلمانوں کو بالکل نظر انداز کر سکتے ہیں مگر مسلم اکثریتی صوبوں میں بھی مسلمانوں کو ہندوؤں کا دست نگر بنا دیا گیا ہے۔ مجھے اس امر میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں کہ نیا آئین مسلمانوں کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے کی غرض سے بنایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مسلمانوں کی معاشی تنگ دستی کا بھی حل نہیں ہے جو مسلمانوں میں شدید تر ہوتی جا رہی ہے۔

کمیونل ایوارڈ ہندوستان میں مسلمانوں کے محض سیاسی وجود کو تسلیم کرتا ہے لیکن یہ اعتراف جو ان کی معاشی پسماندگی کا کوئی حل پیش نہیں کرتا ان کے لیے بے سود ہے۔ کانگرس کے صدر پنڈت جواہر لال نے تو غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی حیثیت ہی سے انکار کر دیا ہے۔ دوسری ہندو سیاسی جماعت، ہندو مہاسبھا نے جس کو میں ہندوؤں کی اصل نمائندہ جماعت سمجھتا ہوں کئی مرتبہ اعلان کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک ہندو مسلم متحدہ قوم کا معرض وجود میں آنا ناممکن ہے۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ ہندوستان میں امن قائم رکھنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ اس کو نسلی، مذہبی اور لسانی اشتراک کی بنا پر از سر نو تقسیم کر دیا جائے بہت سے برطانوی مدبرین بھی کچھ ایسا ہی سوچتے ہیں اور اس آئین کے جلو میں جو ہندو مسلم فسادات تیزی سے رونما ہو رہے ہیں وہ اس ملک میں اصل حقیقت حال کے متعلق ان کی مزید آنکھیں کھولیں گے۔ مجھے یاد ہے کہ میری انگلستان سے روانگی سے قبل لارڈ لوتھیان نے بھی یہی کہا تھا کہ ہندوستان کے مصائب کا حل میری سکیم میں مضمر ہے مگر اس کو عملی جامہ پہنانے میں ۲۵ سال لگ سکتے ہیں۔ پنجاب کے بعض مسلمان یہ تجویز بھی پیش کر رہے ہیں کہ شمال مغربی ہند کے مسلمانوں کی ایک کانفرنس طلب کی جائے اور یہ تجویز تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ مجھے آپ کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ ابھی ہماری قوم اس قدر منظم نہیں ہے اور ابھی اس قسم کی کانفرنس منعقد کرنے کا صحیح وقت بھی نہیں آیا۔ لیکن میری رائے ہے کہ آپ اپنے خطبے میں کم از کم اس طریق عمل کی طرف ضرور اشارہ کریں جو شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمان بالآخر مجبوراً اختیار کریں گے۔

میرے خیال میں نیا آئین جس کا مقصد ہے کہ تمام ہندوستان پر مشتمل ایک وفاق قائم کرے، قطعاً مایوس کن ہے۔ ہندوستان میں امن و امان قائم کرنے اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے تسلط سے بچانے کی واحد ترکیب یہی ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ مسلم صوبوں کی علٰحدہ فیڈریشن قائم کی جائے۔ کیا وجہ ہے کہ شمال مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو علٰحدہ قوم تصور نہ کیا جائے اور جنھیں حق خود اختیاری حاصل ہو جس طرح کہ ہندوستان کی دیگر اقوام کو اور بیرون ہند لوگوں کو حاصل ہے۔

ذاتی طور پر میری رائے ہے کہ شمالی مغربی ہندوستان اور بنگال کے مسلمانوں کو فی الحال مسلم اقلیتی صوبوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ مسلم اکثریتی اور مسلم اقلیتی صوبوں کا بہترین مفاد اس وقت اسی طریق سے وابستہ ہے۔ اس لیے مسلم لیگ کا آئندہ اجلاس کسی مسلم اقلیتی صوبے میں منعقد کرنے کی بجائے پنجاب میں

منعقد کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ لاہور میں اگست کا مہینہ تکلیف دہ ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو لاہور میں وسط اکتوبر میں جب موسم خوش گوار ہو جاتا ہے مسلم لیگ کے اجلاس کے انعقاد کے امکان پر غور کرنا چاہیے پنجاب میں آل انڈیا مسلم لیگ میں دلچسپی بڑھ رہی ہے اور آیندہ اجلاس کا پنجاب میں منعقد ہونا پنجاب کے مسلمانوں میں نئی سیاسی بیداری پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور، ۱۱ اگست ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح،

حالات نے یہ بات واشگاف طور پر واضح کر دی ہے کہ لیگ کو اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکز شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بنانا چاہیے۔ لیگ کے دہلی آفس سے مسٹر غلام رسول کو یہ اطلاع ملی ہے کہ لیگ کے آیندہ اجلاس کی تاریخیں ابھی تک طے نہیں ہوئی ہیں۔

اندریں حالات مجھے اندیشہ ہے کہ لیگ کا اجلاس اگست اور ستمبر میں منعقد نہیں ہو سکے گا۔ لہٰذا میں اپنی اس درخواست کو دوبارہ دہراتا ہوں کہ لیگ کا اجلاس لاہور میں وسط یا اواخر اکتوبر میں طلب کیا جائے۔ پنجاب میں لیگ کے لیے جوش تیزی سے بڑھ رہا ہے اور مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ لاہور میں لیگ کا اجلاس بلانا لیگ کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوگا اور عوام سے رابطہ پیدا کرنے کی جانب ایک اہم قدم ہوگا۔ از راہ کرم اس خط کے جواب میں چند سطریں تحریر فرمائیے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بار ایٹ لا

"پرائیویٹ و خفیہ"

لاہور، ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح،

لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں پنجاب سے ایک مضبوط گروپ شریک ہوگا۔ سر سکندر حیات کی زیر قیادت یونینسٹ مسلمان بھی اجلاس میں شرکت کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آج کل ہم بہت مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ہندوستانی مسلمان آپ سے توقع رکھتے ہیں کہ اس پر آشوب زمانے میں آپ اپنے خطبے میں نہایت واضح الفاظ میں ان کی مکمل ترین رہنمائی فرمائیں گے۔ میرا خیال ہے کہ لیگ کو کمیونل ایوارڈ سے متعلق اپنی پالیسی یا مکرر وضاحت کا اعلان ایک موزوں قرارداد کی شکل میں کرنا چاہیے۔ میرے سننے میں آیا ہے کہ پنجاب اور سندھ میں بعض گمراہ مسلمان کمیونل ایوارڈ میں ہندوؤں کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کچھ تبدیلی کرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ لوگ شاید اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہندوؤں کو خوش کرنے کے بعد وہ اپنا اقتدار قائم رکھ سکیں گے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ چونکہ برطانوی حکومت ہندوؤں کو خوش کرنے کی فکر میں ہے اس لیے وہ (ہندو) کمیونل ایوارڈ میں تبدیلی کو خوش آمدید کہیں گے۔ اس غرض سے برطانوی حکومت اس کوشش میں ہے کہ اپنے مسلمان ایجنٹوں کے ذریعے اس میں گڑبڑ کرائے۔

میں لیگ کونسل کی خالی نشستوں کے لیے ۲۸ افراد کی ایک فہرست تیار کروں گا۔ مسٹر غلام رسول یہ فہرست آپ کو دکھائیں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ انتخاب بہت احتیاط کے بعد ہی کیا جائے گا۔ ہمارے آدمی ۱۳ تاریخ کو لاہور سے روانہ ہوں گے۔

مسئلہ فلسطین مسلمانوں کے ذہنوں میں بہت اضطراب پیدا کر رہا ہے۔ لیگ کے مقاصد کے لیے عوام سے قریب تر آنے کا اس سے بہتر موقع اور کونسا ہو سکتا ہے۔ مجھے قوی اُمید ہے کہ لیگ اس مسئلے (فلسطین) پر ایک بہت ہی سخت قرارداد منظور کرے گی ساتھ ہی لیڈروں کی ایک غیر رسمی کانفرنس بھی منعقد کی جائے جہاں ایک مثبت لائحہ عمل طے کیا جائے جس کے ذریعے مسلمان بڑی تعداد میں شامل ہو سکیں۔ اس طریق سے لیگ کو فوراً مقبولیت حاصل ہوگی اور شاید فلسطین کے عربوں کو بھی کچھ فائدہ پہنچ جائے۔ ذاتی طور پر میں کسی ایسے امر کی خاطر جیل جانے کو بھی تیار ہوں جس سے اسلام اور ہندوستان متاثر ہوتے ہوں۔ مشرق کے دروازے پر مغرب کا ایک اڈا بننا اسلام اور ہندوستان دونوں کے لیے پر خطر ہے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

مکرر، لیگ کو یہ قرارداد منظور کرنی چاہیے کہ کوئی بھی صوبہ کمیونل ایوارڈ کے سلسلے میں کسی دوسری قوم کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنے کا مجاز نہیں، چونکہ اس مسئلے (کمیونل ایوارڈ) کا تعلق تمام ہندوستان سے ہے۔ اس لیے اس کو طے کرنے کا حق صرف لیگ ہی کو حاصل ہے آپ ایک قدم اور آگے جا سکتے ہیں کہ موجودہ نامناسب فضا کسی فرقہ وار مصالحت کے لیے سازگار نہیں۔

لاہور، یکم نومبر ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح۔

امید ہے کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی قرارداد آپ کی نظر سے گزری ہوگی۔ آپ کی بروقت تدبیر کارگر ثابت ہوئی۔ ہم سب لوگ کانگرس کی قرارداد پر آپ کے تاثرات کے منتظر ہیں۔ لاہور کے اخبار ٹریبیون نے پہلے ہی اس پر نکتہ چینی کی ہے اور میرا خیال ہے ہندو بالعموم اس کی مخالفت ہی کریں گے۔ لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انہیں اس بات کے نشے میں نہیں رہنا چاہیے۔ بلکہ ہمیں تنظیم ملت کا کام پہلے سے زیادہ جوش اور ولولے کے ساتھ جاری رکھنا چاہیے اور اس وقت تک دم نہیں لینا چاہیے جب تک پانچ صوبوں میں مسلم حکومتیں قائم نہ ہوجائیں اور بلوچستان میں اصلاحات رائج نہ ہوجائیں۔

یہاں افواہ ہے کہ یونینسٹ پارٹی کا ایک حصہ لیگ کے مسلک پر دستخط کرنے کو تیار نہیں ہے۔ ابھی تک سرسکندر اور ان کی پارٹی کے لوگوں نے اس پر دستخط نہیں کیے ہیں۔ میں نے آج صبح ہی سنا کہ وہ لیگ کے آئندہ اجلاس تک انتظار کریں گے۔ اس سے ان کا مقصد جیسا کہ ان میں سے ایک نے مجھے یہ بتایا ہے کہ صوبائی لیگ کی سرگرمیوں کو معطل کر دیا جائے۔ بہر حال میں چند روز تک آپ کو تمام حقائق کی تفصیل بھیج دوں گا پھر آپ کی رائے معلوم کروں گا کہ ہمیں کس طرح اپنا کام آگے بڑھانا چاہیے۔ مجھے قوی امید ہے کہ آپ اجلاس لاہور سے قبل کم از کم دو ہفتے کے لیے پنجاب کا دورہ کریں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

"بہت ضروری"

لاہور، یکم نومبر ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح،

سر سکندر حیات کل اپنی پارٹی کے چند ممبروں کے ساتھ میرے یہاں تشریف لائے اور لیگ اور یونینسٹ پارٹی کے درمیان اختلافات کے سلسلے میں ہماری کافی طویل گفتگو ہوئی۔ فریقین نے اخبارات کو بیانات جاری کر دیئے ہیں۔ دونوں فریقوں نے سکندر جناح پیکٹ کی اپنے مقصد کے مطابق تاویلات کی ہیں۔ اس سے کافی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی لکھا، میں یہ تمام بیانات آپ کو روانہ کر دوں گا۔ فی الحال میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ مجھے اس سمجھوتے کی نقل ارسال کر دیں جس پر سر سکندر نے دستخط کیے ہیں۔ جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے یہ آپ کے پاس موجود ہے۔ میں یہ بھی جاننا چاہوں گا کہ آیا آپ اس بات پر راضی ہو گئے تھے کہ صوبائی پارلیمانی بورڈ پر یونینسٹ پارٹی کا کنٹرول رہے گا۔ سر سکندر نے مجھے بتایا ہے کہ آپ اس پر راضی ہو گئے تھے اس لیے اب ان کا مطالبہ ہے کہ (پارلیمنٹری) بورڈ میں یونینسٹ پارٹی کی اکثریت ہونی چاہیے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے سر سکندر جناح پیکٹ میں ایسی کوئی بات نہیں۔

از راہ کرم اس خط کا جواب جلد از جلد تحریر فرمائیں۔ ہمارے آدمی صوبے کا دورہ کر رہے ہیں اور مختلف مقامات پر لیگ کی شاخیں قائم کر رہے ہیں۔ گزشتہ شب لاہور میں ہمارا ایک بہت کامیاب جلسہ منعقد ہوا اور اُمید ہے ایسے اور بھی جلسے ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال بار ایٹ لا

لاہور، ۱۰ نومبر ۱۹۳۷ء

مائی ڈیئر مسٹر جناح

سر سکندر اور اُن کے ساتھیوں سے متعدد گفتگوؤں کے بعد میں اس قطعی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ اس سے کم کسی چیز پر راضی نہیں ہوں گے کہ لیگ اور صوبائی پارلیمانی بورڈ کا مکمل اختیار ان کو دے دیا جائے۔

آپ کے ساتھ ان کا جو معاہدہ ہوا اس میں یہ مذکور ہے کہ پارلیمانی بورڈ کی تشکیل نو کی جائے گی اور یونینسٹ پارٹی کو اس میں اکثریت حاصل ہوگی۔ سر سکندر نے مجھے بتایا ہے کہ آپ نے اس بات سے اتفاق کیا ہے کہ بورڈ میں ان کو اکثریت دے دی جائے۔ میں نے کچھ دن ہوئے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آیا آپ واقعی بورڈ میں یونینسٹ پارٹی کو اکثریت دینے پر رضامند ہو گئے تھے۔ ابھی تک مجھے آپ کا جواب نہیں ملا۔ ذاتی طور پر مجھے اس بات میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے لیے جو اکثریت وہ چاہتے ہیں وہ انہیں دے دی جائے۔ لیکن جب وہ لیگ کے عہدہ داران میں تبدیلی چاہتے ہیں تو وہ معاہدے سے ہٹ جاتے ہیں۔ مثلاً خاص طور سے وہ لیگ کے موجودہ سیکرٹری (غلام رسول خان) کو بدلنے کے خواہاں ہیں جس نے مسلم لیگ کے لیے اتنا کچھ کیا ہے۔ وہ اس بات کے بھی خواہش مند ہیں کہ لیگ کے مالی معاملات پر ان کے آدمی کا کنٹرول رہے۔ میرے خیال میں تو وہ اس طرح لیگ پر قبضہ جما کر اسے ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ صوبے کی رائے عامہ کو جانتے ہوئے میں اس بات کی ذمہ داری نہیں لے سکتا کہ لیگ کو سر سکندر اور ان کے دوستوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اس معاہدے (سکندر جناح پیکٹ) نے پہلے ہی صوبے میں لیگ کے وقار کو کافی نقصان پہنچایا ہے اور یونینسٹ حضرات کی عیاریاں لیگ کو اور بھی نقصان پہنچائیں گی۔ ان لوگوں نے ابھی تک لیگ کے نصب العین پر دستخط نہیں کیے ہیں اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ کرنا بھی نہیں چاہتے۔ یہ لوگ لیگ کا اجلاس لاہور میں فروری کی بجائے اپریل میں منعقد کرنا چاہتے ہیں۔ میرے خیال میں وہ اپنی زمیندارہ لیگ کے قیام و استحکام کے لیے مہلت حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ شاید آپ کو علم ہوگا کہ سر سکندر نے لکھنؤ سے واپسی پر ایک زمیندارہ لیگ بنائی تھی اور اب اس کی شاخیں تمام صوبے میں قائم کی جا رہی ہیں۔ ازراہ کرم بتلائیں کہ ہم ان حالات میں کیا کریں۔ اگر ممکن ہو تو بذریعہ تار اپنی رائے سے مطلع فرمائیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو جس قدر جلد ممکن ہو کہ ایک تفصیلی خط تحریر فرمائیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال۔

کتابیات

مصنف	کتاب	ناشر
۱۔ ابوالحسن علی ندوی	نقوشِ اقبال	مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ ۱۹۷۰ء
۲۔ احمد سعید	حصولِ پاکستان	ایجوکیشنل ایمپوریم، لاہور ۱۹۷۶ء
۳۔ احمد سعید	گفتارِ قائداعظم	قومی کمیشن برائے تحقیق و تاریخ و ثقافت اسلام آباد، ۱۹۷۶ء
۴۔ اختر حسین، مرزا	تاریخ مسلم لیگ	مکتبہ لیگ بمبئی، سن ندارد
۵۔ رفیق افضل	گفتارِ اقبال	ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان، لاہور ۱۹۶۹ء
۶۔ شورش کاشمیری	اقبال پیامبر انقلاب	فیروز سنز لاہور ۱۹۶۸ء
۷۔ عاشق حسین بٹالوی	اقبال کے آخری دو سال	اقبال اکیڈمی کراچی، ۱۹۷۱ء
۸۔ عطاء اللہ، شیخ	اقبال نامہ (جلد اول)	شیخ محمد اشرف لاہور، سن ندارد۔
۹۔ غلام دستگیر رشید	آثارِ اقبال	حیدرآباد دکن ۱۹۴۵ء
۱۰۔ لطیف احمد شروانی	حرفِ اقبال	المنار اکیڈمی، لاہور ۱۹۴۸ء
۱۱۔ محمد احمد	اقبال کا سیاسی کارنامہ	کاروانِ ادب کراچی، سن ندارد
۱۲۔ محمد امین زبیری	سیاستِ ملیہ	عزیزی پریس، آگرہ ۱۹۴۱ء،
۱۳۔ محمد حمزہ فاروقی	سفرنامہ اقبال	مکتبہ معیار، کراچی ۱۹۷۳ء
۱۴۔ ممتاز حسن	اقبال اور عبدالحق	مجلس ترقی ادب، لاہور ۱۹۷۳ء
۱۵۔ سید نذیر نیازی	اقبال کے حضور	اقبال اکیڈمی، کراچی ۱۹۷۱ء
۱۶۔ فقیر سید وحیدالدین	روزگارِ فقیر	لائن آرٹ پریس، لاہور، ۱۹۶۳ء

1. Ahmad Saeed: Writings of the Quaid-e-Azam Lahore, 1976,
2. G. Allana: Quaid-e-Azam The Story of a Nation Lahore, 1967
3. Jamil-ud-din Ahmad: Speeches and Writings of Mr. Jinnah Lahore, 1973

4 Liaqat Ali khan: (ed.) Resolutions of the All India Muslim League Delhi n.d.

5 M.Rafique Afzal: Speeches and Statement of Quaid-e-Azam Mohammad Ali Jinnah Lahore, 1973

6 Syed Sharif-ud-Din Peerzada: Foundation of Pakistan Karachi, 1971

رسائل، اخبارات، مضامین،

"نقوش" (لاہور نمبر) روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی، روزنامہ "انقلاب" لاہور۔ روزنامہ "زمیندار" لاہور، "نیرنگِ خیال"، "دکن" اقبال نمبر ہفتہ وار "پیسہ اخبار" لاہور۔ ہفتہ وار "حمایت اسلام" لاہور۔

احمد سعید، قائد اعظم اور نہرو رپورٹ، ماہنامہ "المعارف" لاہور فروری ۱۹۷۶ء

احمد سعید، قائد اعظم اور مسجد شہید گنج، ماہنامہ "المعارف" لاہور اپریل ۱۹۷۶ء

احمد سعید، قائد اعظم، آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ، روزنامہ انقلاب کی نظر میں، "ثانوی تعلیم" لاہور قائد اعظم نمبر، دسمبر ۱۹۷۶ء

اشاریہ

